سرِ دلبراں
مکتوباتِ شمشیر
پروفیسر (ر) شمشیر علی خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سرِ دلبراں"

مکتوباتِ شمشیر

پروفیسر (ر) شمشیر علی خان

ضابطہ

کتاب	:	"سرِ دلبراں"
مصنف	:	پروفیسر شمشیر علی خان
اہتمام	:	ڈاکٹر احمد فواد، ڈاکٹر محمد اسد، پروفیسر مسکین زمان
کمپوزنگ	:	محمد طارق عزیز
ناشر	:	ٹی زیڈ پبلشرز محلہ جنگی پشاور
تاریخ اشاعت	:	اگست ۲۰۱۳ء
قیمت	:	

انتساب

دنیائے ادب کی نامور شخصیت

اور

میرے بہت ہی پیارے دوست

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان (مرحوم)

کے نام

جن کی یادیں ذہن کے دریچوں پر ہمیشہ

فروزاں رہیں گی

ے قاصد کے آتے آتے، خط ایک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
75.	خط از طرف اثاری گل نیازی اثار	147
76.	خط از طرف پروفیسر غلام زبانی انور	150
77.	صدر پاکستان غلام اسحاق خان کو خط اور میری باز پرس	152
78.	خط از طرف نثار علی	153
79.	خط از طرف غلام اسحٰق خان	155
80.	خط از طرف عبدالعلی خان	156
81.	خط از طرف عبدالعلی خان	157
82.	خط از طرف عبدالعلی خان	158
83.	خط از طرف محمد رضا خان	159
84.	خط از طرف پروفیسر پریشان خٹک	160
85.	خط از طرف ڈاکٹر گل بادشاہ	161
86.	خط از طرف حفیظ جالندھری	162
87.	خط از طرف محمد اکرم خان	165
88.	خط از طرف فقیر ضمیر	166
89.	خط از طرف حفیظ جالندھری	167
90.	بن باس کا درانی۔۔۔۔۔۔؟	168
91.	خط از طرف حاجی عبدالکریم	174
92.	راز و نیاز حفیظ جالندھری کا خط بنام مصنف (پروفیسر شمشیر)	176
93.	خط بنام حفیظ جالندھری	167
94.	کب ڈوبے گا سرمایہ داری کا یہ سفینہ؟ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان	180
95.	1981ء ایک سیمینار میں شمولیت (مصنف)	184
96.	مٹی سے کھیلتے ہو بار بار کس لئے (ڈاکٹر ظہور احمد اعوان)	186
97.	فکر فردا (1991) (مصنف)	190
98.	لمحۂ فکریہ (پیغام کل اساتذہ کے نام)	192

دیباچہ

یہی باتیں ہیں پڑھنے کی۔۔۔۔یہی باتیں ہیں سننے کی

(پروفیسر خان محمد پشاور)

"سرِ دلبراں" کچھ ایسے خطوط کا مجموعہ ہے جو پروفیسر شمشیر صاحب نے اپنے دوستوں کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں زیادہ تر خطوط ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے نام لکھے گئے ہیں تاہم کچھ دیگر دوستوں نے پروفیسر شمشیر صاحب کو لکھے ہیں۔ یہ تمام خطوط پروفیسر شمشیر صاحب کے ادبی ذوق اُن کے گہرے علمی مطالعے اور ان کے جلالی و جمالی مزاج کی خوبصورت تصاویر ہیں اس میں شبہ نہیں کہ ان خطوط میں زیادہ تر واقعات وحالات ذاتی نوعیت کے ہیں تاہم ان خطوط میں زندگی کی مجبوریوں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ ان کی علمی ذوق اور خوبصورت اشعار کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

دراصل خط لکھنے کے لئے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے دوستی کا بھرم رکھنے اور حقیقی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ادبی شعور اور فنکارانہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے خطوط دراصل انسان کے اندرونی جذبات آشکارا کرتے ہیں اور دلوں کے نہاں خانوں کے راز ہائے سربستہ افشا کرتے ہیں۔ بقول پروفیسر شمشیر صاحب " مکتوبات ہی سچا ادب ہیں" کیونکہ یہاں اظہار رائے پر کوئی قدغن نہیں ہوتی کسی شخص کی اصلی عظمت اور قدر وقیمت کا تعین کرنے کے لئے اس شخص کے اندر روپوش اور خاموش شخص کا ادراک اس کی تخلیقات میں مضمر ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہر اچھا خط دوست بناتا ہے اور ہر بُرے خط سے دشمن پیدا ہوتا

خوبصورتی کی منہ بولتی تصویر ہوتی ہے پروفیسر صاحب کے خطوط بھی ان کے حسن بیان برجستہ اشعار اور شیرین و دل کش تحریر کے عکاس ہیں ان خطوط میں ان کی گرم جوشی اور ولولہ بھی ہے اور رقص زیست وحیات بھی ہے چنانچہ لکھتے ہیں

"یہ دنیا آئینہ خانہ ہے احتیاط سے قدم رکھنا پڑتا ہے معمولی غلطی یا تغافل سنگین نتائج پر منتج ہوتا ہے دوست کا دوست پر حق ہوتا ہے کہ اسے معمولی سی لہر کے بارے میں متنبہٰ کیا جائے تاکہ بحر حیات بحر غم نہ بن جائے"

کہتے ہیں کہ جیسے کنجیاں خزانوں کے تالے کھولتی ہیں ایسے ہی خطوط داوں کے راز کھولتے ہیں اپنی بیٹی کے سانحۂ ارتحال پر اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔ "میری ایک پیاری بیٹی کینسر سے لقمہ اجل ہوئی جس کا صدمہ کئی سال گزرنے کے باوجود تازہ ہے" مقامی اور علاقائی ماحول میں نظم وضبط پیدا کرنے کے بھی از حد خواہش مند ہیں اس کا برملا اظہار کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے لکھتے ہیں۔

بنوچی نام باعث توہین ہے بنوں وال ہونا چاہئے ایڈورڈ نے بھی لکھا ہے کہ بنوچی خود کو بنوں وال کے نام سے پکارنا پسند کرتے ہیں۔ غرض **"سرِ دلبراں"** پروفیسر شمشیر صاحب کی رنگا رنگ اور دلچسپ اور دلآویز شخصیت کا پرتو ہے یہ ان کی دلچسپ اور جاندار تصنیف ہے جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہے گی۔

؎ اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

(پروفیسر خان محمد پشاور)

باتیں مکتوبات کی

میرے نزدیک مکتوبات ہی سچا ادب ہیں۔ جو دِل میں آئے وہی زبان پر آجاتا ہے۔ یہاں اظہار رائے پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔ اسلوب بیان کے علاوہ مکتوبات خاکہ بندی کی بہترین روایات بھی ہیں۔ سماجی تاریخ بھی، عمرانیات اور سیاست سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ خاکہ بندی مکتوبات کی ہم نسل، ہم صنف اور ہم صفت ہے۔ دونوں کا مخاطب سردلبراں دلبر ہوتا ہے۔ اس لئے مکتوبات کا دوسرا نام **"سرِ دلبراں"** ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب میرے قریبی اور قدیمی دوست رہے ہیں۔ ان سے ایک عرصہ خط و کتابت رہی۔ جب میں ایک موذی مرض کے ہاتھوں نیم جان بنا۔ دائیں ٹانگ کٹوانی پڑی دم واپسیں کی زد میں رہا۔ تو ایک دن جناب ڈاکٹر ظہور صاحب نے میرے فرزند ارجمند امجد خان کو میرے خطوط، جو انہوں نے محفوظ کر رکھے تھے، تھما دیئے۔ اس خواہش کے ساتھ، کہ میں انہیں شائع کرادوں۔ انہوں نے مجھ سے اپنے بھیجے ہوئے خطوط کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا۔ میں نے دکھ اور ضعف کے ساتھ منفی میں جواب دیا۔ کیونکہ میں نہ کسی اور کی اور نہ اپنی رشحاتِ قلم کی نقل محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ میری فطری کمزوری ہے۔ بہر حال، انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں ان مکتوبات کو ضرور منصۂ شہود پر لاؤنگا۔ پر یہ بھی مجھ سے نہ ہوسکا، نیم جان، بے حسی کے عالم کے باعث، میں یہ کام وعدہ فردو پر ٹالتا رہا۔ اسی دوران جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

انا لیلہ وانا الیہ راجعون O

میں تنہا رہ گیا۔ مزید

؎ جب کشتی ثابت سالم تھی، ساحل کی تمنا اُس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

عرض کر چکا ہوں، کہ مکتوبات ہی سچا ادب ہیں۔ کیونکہ یہاں اندرون اور بیرون، ظاہر اور باطن، فکر و ذکر میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ روپ اور بہروپ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہاں دورنگی نام کی کوئی شے نہیں ہوتی، سچ غالب تصنع غائب، اسی لئے مکتوبات نویسی، سچا صادق کھرا اور بے میل، لاجواب، لاریب اور بے عیب ادب ہوتا ہیں۔ تصنع سے آزاد، اسلوب بیاں کا حامل یہ تو ادب عالیہ کا سرتاج ہے۔ مکتوبات ہی **"سرِ دلبراں"** کا نام ہے۔ یہ ادب عالیہ کا آغاز بھی ہیں اور انجام بھی۔

اظہارِ سپاس

مجھے لکھنے لکھانے کا شروع میں قطعی شوق نہ تھا۔ صرف اور صرف تقریر کرنے کا شائق تھا۔ تحریر سے کوسوں دور رہا۔ مزید آج سے کئی عرصے قبل فسادِ خون کے باعث دل کا آپریشن ہونا پڑا۔ ساتھ دائیں ٹانگ بھی بے کار ہوئی، زندگی اجیرن ہوئی۔ بستر مرگ پر سسکتا رہا۔ مرنا نصیب نہ تھا۔ بقول ڈاکٹر ظہور اعوان عزرائیل نے شمشیر کو کو شائد بھلا دیا ہے۔ ورنہ مرگ مفاجات کے تمام تقاضے پورے ہو چکے تھے۔

بہر حال کچھ افاقہ ہوا۔ تو ڈاکٹر موصوف نے میرے جمع شدہ خطوط، میرے فرزند ارجمند کے حوالے کیے۔ بغرض اشاعت، مشکل یہ تھی، کہ مجھ سے مسلسل بیٹھا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ مشکل بھی میرے احباب اور کچھ دوستوں نے آسان بنا دی۔

اِن دوست و احباب میں پروفیسر خان محمد صاحب، ممتاز علی خان، مسکین زمان اور اسد شمشیر شامل ہیں۔ ان سب نے پروف ریڈنگ کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا۔ اور اس طرح ''سرِ دلبراں'' شائع کرائی گئی اگر یہ حضرات اپنی مخلصانہ خدمات کو پیش نہ کرتے تو یقیناً "سرِ دلبراں"، منصۂ شہود پر نہ آتی۔

ان سب کے حق میں سراپا سپاس ہوں مکرر کہوں۔ ان حضرات کو ان خدمات کے صلے میں اللہ پاک اجر عظیم عطا کرے۔

ویسے ناسپاسی ہوگی اگر ماضی کی خدمات جو پروفیسر مسکین زمان اور ڈاکٹر اسعد کو نظرانداز کروں۔ یہ دونوں حضرات میرے ساتھ تین ماہ تک روزانہ حال خانہ جاتے اور ماخز مواد اکٹھا کرتے رہے۔ اس طرح بن باس حصہ اول وجود میں آیا۔ میں ان دونوں کا بے حد مشکور ہوں۔ ڈاکٹر اسعد پیشہ کے لحاظ سے علم طب سے وابستہ ہے۔ جبکہ پروفیسر مسکین زمان بنیادی طور پر ایک پختہ استاد ہیں۔

تمت

نوائے سروش

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے؟

ایک دنیا پریشان، حالات سے ترساں و نالاں اور انگشت بدنداں ہے۔ نہ علاج نہ درمان، نہ دارو نہ دُرود۔ ہر شخص دریا دریا روتا ہے۔ کیونکہ صحرا صحرا وحشت ہے۔ آج سے کل بدتر دکھائی دیتا ہے۔ حق غائب ہے، باطل حاضر، مظلوم مغلوب سچ معتوب ہے۔ زُور وزَر کی علمداری ہے۔ امید کی کرن ناپید، انصاف بعید ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس لئے انصاف معدوم، حق مظلوم اشیاءِ صرف کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اگر کسی چیز کی ارزانی ہے تو وہ خون انسانی ہے۔ بوریوں کے حساب سے لاشیں ملتی ہیں۔ وہ بھی فقط انسان سستا ہے، بہت ہی سستا ہے۔

مکرر کہوں

ے آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اجتماعی فکر معدوم ہے۔

کہا جاتا ہے خزانہ خالی ہے اسلیئے سرکاری ملازمین اور پنشنروں کی پنشن میں اضافہ ناممکن ہے۔ مگر اراکین اسمبلی کے مشاہرے میں سہ گنہ اضافہ کیا گیا ہے۔ ان کی رہائش اور زیبائش پر بے بہا خرچ کیا جا رہا ہے۔

نہ پُرسش نہ پُرسان۔ ان کی صوابدید پر لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کیا جا رہا ہے۔

قوم بے بس بے کس اور بے حس تماشائی ہے۔ ساری قوم تیزی کیساتھ تباہی کی جانب گامزن ہے۔ سیاست، جنگ زرگری اور نفع بخش تجارت ہے۔ اور آمدن کا محفوظ ذریعہ معاش ہے۔انہیں معلوم نہیں فطرت کی تعزیریں سخت اور مہیب ہوا کرتی ہیں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کرلیتی ہے
نہیں کرتی مگر ملت کے گناہوں کو معاف

تمت

خاکہ بندی

جیسے کہہ چکا ہوں کہ خاکہ بندی مکتوبات کی ہم صفت اور اہم صنف اسلوب بیان ہے ذیل کے چند خاکے پیشِ خدمت ہیں۔

تعارفی خاکہ

اقبال خان میرے نزدیک

خانزادہ محمد اقبال خان سابق ناظم اعلیٰ بنوں۔ خان صاحب ملک دمساز خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ شاہ بزرگ خیل شاخ درب خیل کے چشم و چراغ تھے۔ وہ صحرا میں نخلستان اور کان کوئلہ میں ہیرے کا درجہ رکھتے تھے۔ اس لئے اقبال خان ہزاروں میں ایک تھے۔ اور ہم وصف ، ہم جہت انسان تھے۔ وہ بیک وقت کئی شعبوں پر دسترس رکھتے تھے۔ انہیں کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ گویا مرحوم جامع اللسان تھے۔ زبان انگریزی، سرائیکی اور پشتو پر یکبارگی عبور رکھتے تھے۔ اقبال خان ذہانت، اور فطانت کے بے بدل انسان تھے۔ گویا بطل جلیل تھے۔ شکاریات، سیاسیات، علم طب وکالت اور انجینئرنگ کے شعبوں میں مہارت اور درّا کی رکھتے تھے۔ انجینئرنگ ان کا اپنا شعبہ تھا۔ پشاور انجینئرنگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔

دیانتداری اور پاک بازی کا بھی مظاہرہ کرپاتے تھے۔ یہ بھی انکی خاندانی خوبی تھی یا خامی۔

اقبال خان کے والد خان صاحب ملک دمساز خان کی ذات جرأت واظہار، پاک دامنی، دیانت داری، صاف گوئی، درشت کلامی سادگی اور پرکاری سے عبارت تھی۔

وہ اس باب میں ضرب المثل اور قول فیصل کا درجہ رکھتے تھے۔ جبکہ اقبال خان اپنے والد کے برعکس گاہے گاہے غلو گوئی اور تعلی سے گیرز نہیں کر پاتے تھے۔

اقبال خان اپنے وقت کے اچھے کرکٹر تھے۔ وہ کرکٹ کے بارے بے محابہ معلومات رکھتے تھے۔ گویا مجسم Encyclopedia تھے۔ انہوں نے حال ہی میں میدان سیاست میں قدم رکھا۔ تو بھی اقبال خان کا کم آموز نہیں پر کم امیز ضرور ہے۔ اس نے اپنے بے لچک روئے اور متکبرانہ انداز کے باعث اپنے بیگانے سب کو ناراض و نالاں کیا۔ وہ کسی کا مشورہ لینا اور سننا بھی قبول نہیں کرتے تھے۔

وہ صرف مولا خود کو سمجھتے تھے۔ خانزادہ اقبال خان دن کے اجالے میں دن کی تاریکی اور جگنو کی روشنی ڈھونڈنے کے عادی تھے۔ یعنی ناممکنات کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔

بعض اوقات قابلیت، قبولیت کو چاٹ لیتی ہے جو بلائے جاں بلکہ وبال جان بن جاتی ہے۔ اقبال خان کا بھی یہی المیہ تھا، کاش اقبال خان کسی ایک شعبے کیطرف متوجہ ہوتے تو وحید العصر کہلائے جاتے۔

آہ ایک نگینہ ٹوٹ گیا اور رشید باچا چل بسے

جولائی کے پہلے ہفتے تک اپنے بیٹے امجد شمشیر سے میں برابر اصرار کرتا رہا کہ مجھے میرے دوست ڈاکٹر ظہور اعوان کے پاس پہنچا دو۔ پھر وہاں سے ہم دونوں جناب رشید باچا کی زیارت کیلئے یونیورسٹی ٹاؤن جائینگے۔ دس جولائی 1997ء کو طبیعت نے اچانک کروٹ بدلی شخصیت بکھرنے لگی۔ سارے جسم پر لرزہ طاری تھا پھر مہمانوں نے یلغار کی۔ دل تو پہلے روٹھ چکا تھا اب ٹوٹ بھی گیا۔ بلڈ پریشر، شوگر، جائنڈس کا ورد مسعود ملیریا کم ٹائیفائیڈ، نا جانے کتنے مہربان مہمان بیک وقت ہمارے ہاں پذیرائی کیلئے خیمہ زن ہوئے۔ صلا یہ ٹھہری کہ شیر پاؤ پہنچیں۔ نیم بے ہوشی کا عالم تھا۔ مہربانیوں اور قہر بانیوں کے باعث تھرّا رہا تھا۔ آنکھیں حیا بندی کے طور پر بند تھی۔

ظہور صاحب ہسپتال سے 16 جولائی کو فراغت ملی۔ اور بنوں میں خود کو بچوں کے درمیان پایا۔ وہاں اخبار کی ایک سرخی پر نظر پڑی۔۔ آہ رشید باچا بھی چل بسے۔

یقین مانیئے، منہ سے ایک چیخ نکلی اور دل سے ایک ہُوک، بصارت سماعت جواب دے گئی۔ امجد نے میرے کمرے میں آکر تسلی آمیز لہجے میں کہا ابو ہم سب نے مرنا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے بوقت مرگ جس کے لبوں پر، مسکراہٹ ہو۔ رشید باچا یقیناً ایک برگزیدہ انسان تھے۔ مرد مومن، وہ مرے نہیں بلکہ امر ہو چکے۔ رشید باچا ایک عظیم انسان تھے۔

محکمہ تعلیم سے بیک وقت دو عظیم سپوت جہاں سے گئے علی خان اور رشید باچا۔ ایک سراپا جلال دوسرا سراپا جمال گویا محکمہ تعلیم جلالی اور جمالی جیسی خوبیوں اور خوشبو سے محروم ہو کر رہ گیا۔

جناب رشید باچا صاحب بڑے درد مند دل انسان تھے۔ دیانت، اخلاص، شرافت، شہامت، بے باکی اور حق گوئی انکا شیوا تھی۔ ذہین اور شیرین افسر تھے۔ انکی زندگی رنگین بھی تھی اور سادگی سے عبارت بھی۔

رشید باچا کی ذات ایک روشنی کا مینار تھی۔ محکمہ تعلیم کو بڑا نقصان لاحق ہوا۔

؎ غزالاں تم تو وقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا، آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

رشید باچا صاحب ایک جامع شخصیت تھی۔ ان میں خامیاں تھیں اور خوبیاں بھی۔ مگر انکی خوبیاں خامیوں پر غالب تھیں۔ مجھے رشید باچا صاحب اس لئے بھی دل پذیر اور بے نظیر لگے کہ ان کے ہاں قہر اور مہر کا بہترین امتزاج تھا۔ الغرض رشید باچا کی ہر بات قابل تقلید تھی۔ خواہ اشارت ہو، عبارت ہو، ادا ہو۔

تمت

شمشیر

ڈاکٹر ظہور احمد ایک تعارف

ایک مطالعہ

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب ایک عظیم مرتبت اور صاحب تکریم شخصیت ہیں۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ پر وجہ تعارف ضرور ہیں۔ یہ اس لئے کہ ہر شخص کے اندر ایک دوسرا شخص بھی بستا ہے۔ گویا ایک جان میں دو قلب بستے ہیں۔ اس حوالے سے بعض شخصیتیں پہلودار ہوتی ہیں۔ شخصیت کا ایک پہلو ظہوری اور دوسرا خفائی۔ ایک صاقب ظہور دوسرا مخفی ظہور۔ ایک عیاں دوسرا پنہاں ایک مشہور دوسرا غیر معروف، بظاہر نظر آنے والی شخصیت کا یہ پہلو فریب نظر کا پیدا کردہ بھی تو ہوسکتا ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

اس لئے انسان کی اصلی قدر و قیمت اور عظمت کا طعین، شخصیت کے اسی مشہور متعین پہلو کے طفیل ہی ممکن ہوتا ہے۔

آج کے موضوع کا جان سخن اور میرے مطالعے کا مرکز و محور ''پنہاں ظہور'' ہیں

چاہتا ہوں حالات سے سمجھوتہ کرلوں
پر ایک شخص جو روپوش ہے، مر جائے گا

اس روپوش اور خاموش شخص تک رسائی کا ذریعہ بظاہر نظر آنے والے شخص کی تخلیقات اور تصنیفات ہی ہوتی ہے۔

بقول اصغر۔

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں پایا

اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہیں

ساغر صدیقی کے نزدیک ہر لفظ سفیر ہوا کرتا ہے جو صاحب لفظ کا ترجمان ہوتا ہے۔

مگر دقت طلب مرحلہ اور مسئلہ لفظ کے سمجھنے کے حوالے سے یہ ہے۔ کہ ہر لفظ ظاہری اور مخفی مفہوم رکھتا ہے۔ اور مخفی اور باطنی مفہوم کو صرف عام میں روحِ معنی کہا جاتا ہے۔ اس باطنی مفہوم کو سمجھنے اور پرکھنے اور روح معنی کو پانے کیلیئے خاص استعداد اور دقتِ مطالعہ کا خاص سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ جو دِقت طلب بھی ہے اور وقت طلب بھی۔ اسے خورد بینی مطالعے کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

روح معنی کو بادام کے مغز سے بھی تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ بادام کے خول کو توڑ کر اس کا مغز برآمد کر کے اسے چبا چبا کر جز وجسم و جان بنایا جاسکتا ہے۔ تاکہ مغز اور خول دونوں کو نگل لیا جائے۔

ہمارے اکثر قارئین لفظ اور عبارت کے سمجھنے میں اس جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لفظ کو سیاق وسباق اور صحیح تناظر میں پرکھا جائے اور روح معنی کو برآمد کر کے مرکزی مطلب یا روح معنی تک رسائی حاصل ہو۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی اصلی عظمت اور قدر و قیمت متعین کرنے کیلیئے اس شخص کے اندر روپوش اور خاموش شخص کا ادراک، انکی تخلیقات میں مضمر ہوتا ہے۔ خاص مطالعے سے تخلیقات اور تصنیفات کا اصل تناظر اور روح معنی کے حوالے سے سمجھنا خداداد صلاحیتوں کے طفیل ہی ممکن ہے۔

ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب درجنوں تصانیف کے خالق ہیں۔جن کے وسیلے اور حوالے سے اصل ظہور کو پایا جاسکتا ہے۔ جو بہت ہی گراں ہے۔عظیم اور صاحب تکریم شخصیت ہیں۔

انکی تحاریر، تقاریر اور تصانیف کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے شاید ایک زمانہ درکار ہو۔

؎ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

ڈاکٹر ظہور کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ درد بھرا دل اپنے پہلو میں رکھتے ہیں۔مزید وہ سماج کا دیدہ بینا اور چہرہ زیبا کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ ہر بے کس بے بس مظلوم کا سایہ و ساتھی ہوتے ہیں وہ انکی بے بسی اور بے کسی پر روتے ہیں۔ ان کے لئے آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں۔

؎ مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
اس قدر ہمدرد سارے جسم میں ہوتی ہے آنکھ

وہ دریا دریا روتے ہیں۔صحرا وحشت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی خون بار آنکھوں سے شام فراق، شمع فروزاں کا کام لینا جانتے ہیں۔جس کے لئے حوصلہ اور ہمت درکار ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب انکا بے محابا اظہار کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ وہ فیض عام کا مظہر ہیں۔ بہت ہی پایاں، ارزاں اور آسان دستیاب ہوتے ہیں جیسے پانی ہوا اور چشم نم۔

اسلئے سماج ان کی طرف کم کم ملتفت ہے۔ اسلئے فطرت کی دیگر فیاض عام کی حامل اشیاء کی طرح وہ بے مایہ اور کم مایہ لگتے ہیں۔ ڈاکٹر بے منت اور بے قیمت دستیاب ہوتے ہیں۔یہی انکی پہچان اور عظمت کی شان ہے۔

اس لئے معاشرہ ڈاکٹر صاحب کا صحیح مقام نہ پہچان سکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہر

موازنہ اور مقابلہ سے بالا تر ہیں۔ وہ کسی صلے یا ستائش سے بے پرواہ انسان ہیں۔ انکا قرب ہی وجہ بعید ہے۔ وہ ہمارے بہت ہی قریب رہتے ہیں اسلئے غریب رہے۔

وہ ہمہ وقت پریشان رہتے۔ اور پریشانی بے وجہ بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ وجہ جمیعت بن جاتی ہے۔

؎ اس انتہائے قرب نے دھندلا دیا تجھے
کچھ دور ہو کہ دیکھ سکوں تیرا بانک پن

ظہور صاحب گوہر فردا ہیں۔ آج ان کو صحیح مقام نہیں دیا گیا تو وقت کے ساتھ ان کی عظمت کے نقوش اُبھر کر منصۂ شہود پر ضرور نمودار ہوں گے حقیقت میں ڈاکٹر صاحب گنج گراں مایہ ہیں۔ اور معتبر شخصیت ہیں۔

؎ جسے تم اشک سمجھتے ہو دیکھنے والو
مجھے تو ایک سمندر دکھائی دیتا ہے

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا ان کی یاد میں ایک اکیڈمی استادہ ہوگی۔ وہ پی ایچ ڈی کے حصول کیلئے جان سخن اور شمع حسن کا درجہ حاصل کر لیں گے مگر

؎ اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

المختصر میں نے ڈاکٹر صاحب کے اندر کا خفائی ظہور کا ذاتی خورد بینی مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ جس کی بنیاد پر یہ کہنے میں باک نہیں کہ ڈاکٹر موصوف سمجھوتہ اور مصلحت بینی سے کوسوں دور قانع درویش قلندرانہ ادا کا حاصل بے خوف وخطر، فرد و جز کا مظہر، عیش ونیش سے بے پروا، فرش نشیں، عرش نشیمن بے باک قلم کار، ہمدرد غم گسار، شخص پایا۔

ڈاکٹر ظہور مکان اور زمان کے بندھنوں سے آزاد ہیں۔ انکا ذاتی مکان تک

نہیں۔ اس حوالے سے لامکان ہوئے۔ ایک زمانہ بھی تابع فرمان ہے۔ ان کی تقویم میں 24 کی بجائے 25 گھنٹے ہوتے ہیں۔ وہ اس اضافی گھنٹے کو خود ایجاد کر چکے ہیں۔ اور کئی کام بیک وقت سرانجام دینے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔

؎ عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

ڈاکٹر موصوف ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ فرصت سہولت اور فراغت ان کے نصاب میں نہیں۔

؎ میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندہ حُر کیلئے جہاں میں فراغ

وہ وقت کے حکمران سوار اشہب دوراں۔ فروغ دیدہ امکاں اور سب سے بڑا مفکر عظیم انسان ہیں۔ وہ صحرا میں نخلستان کا درجہ رکھتے ہیں۔

سوچتا ہوں وہ جن ہیں بشر یا فوق البشر ایسے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

؎ سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

شمشیر

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

السلام علیکم

آپ کی طرف سے خط ملنے کے جواب میں چند تحریرات حاضر خدمت ہیں۔

ایک موقع پر سی آئی ڈی ایجنسی کے ذمہ دار افسر نے بتایا کہ میرا نام وزارت کیلئے بطور کیر ٹیکر C.T.G کے لئے منتخب ہوا ہے۔ مگر محمد علی خان ایڈووکیٹ نامزد ہونے، دوسری بار ضلعی زکواۃ چیئر مین کیلئے میرے لئے سفارش کی گئی ہے۔ مگر یہ بھی نہ ہوا۔

گومل یونیورسٹی کے وی سی نے فون پر بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ کے لئے میرا نام بھیجا گیا۔ ان کی ذاتی کاوش کی وجہ سے سینڈیکٹ کا ممبر بنا۔ مگر یار بالیں پہ جب آیا تو قضا بھی ساتھ لایا۔ میں نے معذوری ظاہر کی کیوں کہ میں ایک ٹانگ سے محروم ہوا تھا۔ مگر وہ نہ مانے اور میرا نام رہنے دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کشاکش حادثہ اور واقعات کا ذکر کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب میں نے اس آوارگی میں دنیا کی خوب سیر کی اور تجربات حاصل کئے۔

ایک موقع پر حضرت ابوزر غفاری صاحب نے حضورؐ اقدس کی خدمت میں پیش ہو کر اپنی خدمات کی پیش کش کی۔ مگر عشق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت ابوذر غفاری اپنے وقت کے ترقی پسند صحابی مشہور تھے۔ اسلئے حضرت عثمانؓ نے انہیں شہر بدر کر دیا اور سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ لق ودق بیابان میں انہیں موت آئی۔

جنازہ کے لئے کوئی میسر نہ تھا۔ فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کر دی۔ جب انسان

نہ ہوں تو فرشتے آتے ہیں۔ جیسے ضیاء کے ریفرنڈم میں ہوا۔

ڈاکٹر صاحب آپ کو کوئی ڈپریشن لاحق نہیں صرف اور صرف احساس زیاں آپکو دِق اور دکھ دے رہا ہے۔ یہ بات اچھی بھی ہے۔

؎ غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے

دعا گو!

شمشیر

یہی احساس زیاں زندگی کا مضراب ہے۔

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

مہربانم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

بدلے کی بات نہیں۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ ایسے مواقع پر نہایت عزیز رشتہ داروں اور قلبی دوستوں کو تحائف دیئے جاتے ہیں۔ وہ کچھ لائے یا نہ لائے کچھ اثر نہیں پڑتا۔ ویسے بھی محبت میں ناپ تول حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔

واقعی یاد دلایا۔ ارشد جان نہیں آئے کچھ تو باعث غیر حاضری ہوگا، البتہ آپ کا خط انہیں بھجوار ہا ہوں۔ آپکو حال ہی میں ادبی اعزاز ملا۔ جس کے آپ ہر حال میں سزاوار اور مستحق تھے۔ اچھا ہوا، خوش ہوں کہ ابھی کچھ لوگ ہیں باقی جہاں میں۔

آپ نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کالم کا عنوان صحیح طور پر نہ پڑھ سکا ہوں۔ خط بھلا ہے۔ میرے خط سے بھی خط بد نکلا۔

امجد فواد سب کو بتایا۔ سب دیکھ کر سہم گئے وہ میری کچھ مدد نہ کر سکے الٹا مجھے کوسنے لگے کہ ایک میں ہوں اور ایک ڈاکٹر صاحب، دونوں ناقابل فہم ہستیاں ہیں۔

نہ اپنی پروا نہ اولاد کی، نہ جان کی، نہ مال کی۔ اور نہ خط کی، نہ مضمون کی، نہ خیر کی نہ شر کی، نہ دشمن کی، نہ حال کی نا مستقبل کی۔

صرف اور صرف غم جہاں کی فکر ہے۔ اور ضمیر کی پاسداری، گویا آلام روزگار کو بھی آسان تر بنانے کیلئے ہر غم کو غم جاناں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور بس

عدنان شہزاد، بچیوں اور بیگم صاحبہ کو دعا پہنچے۔

دعا گو۔
پروفیسر شمشیر

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

عزیزی ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم۔

خدا کرے سدا خیر ہو۔

اخبار کی وساطت سے معلوم ہوا کہ آپ کس کرب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ساتھ یہ امر باعث سکون ہوا۔ کہ تکلیف عارضی و چند روزہ ہے۔

میں اس امید کیساتھ خط رقم کر رہا ہوں کہ میرا خط آپکو اس وقت ملے جب آپ کی تکلیف رفع ہو چکی ہو۔ یہی میری دعا ہے۔

آپ سے بھی تاکید سے کہونگا کہ ہر نماز کے بعد ذیل کی چند آیات کا وظیفہ کر کے پانی کے ایک گلاس پر دم کر کے پی لیں۔ الفاظ یہ ہیں۔

ام ابو موا امرا فان مبشرمون O 7 دفعہ نماز کے بعد۔

جو تکلیف اس وقت آپکو لاحق ہوئی ہے۔ وہ کافی پہلے جب میں دسویں جماعت میں پڑھ رہا تھا۔ مجھے بھی ہوئی تھی۔ جسکا دورانیہ دو ہفتے تک رہا تھا۔ درد اور کرب کی انتہا تھی۔ آہ تک کرنے میں مشکل درپیش ہوتی۔ سانس لینا بھی دشوار تھا ڈاکٹر الف خان نے درست تشخیص کر دی ہے۔ انشاءاللہ میرے خط کے آنے سے پہلے آپ کا درد اور تکلیف ختم ہو چکی ہو گی۔

ہاں آپکو خوشی ہو گی۔ کہ میں نے باقاعدہ آپ پر ریسرچ شروع کر دی ہے۔ نئی

امنگوں اور تقاضوں کے ساتھ۔ البتہ آپ فہمیدہ بٹ سے سفارش کریں کہ میرے رشحات قلم کو درخور اعتنا سمجھا کریں۔

ایک بار آپ کے کہنے پر انہیں کچھ بھیجا تھا۔ مگر شاید اسے راس نہ آیا اور ہضم کر دیا۔ یا پھر ردی کی ٹوکری میں پھینک کر ٹھکرا دیا گیا۔

ممکن ہے وہ معیاری نہ ہو۔ میں نے ساتھ ایک زائد لفافہ بھی بھجوایا تھا۔ کہ بصورت دیگر مجھے واپس کر دینگی۔

عدنان شہزادہ اور بچیوں اور بھابی کو دعا پہنچے۔

دعا گو

پروفیسر شمشیر
جنگی خیل کورونہ
نزد گرلز کالج بنوں ڈیرہ روڈ بنوں

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

برادرم ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

السلام علیکم!

غبار خاطر کے عنوان سے عید کے بعد آپ کے خط کے جواب میں جو آپ کو خط ارسال کیا۔ یہ اس خط کا عکس ہے جو میں نے عید سے پہلے لکھنا چاہا پر نہ لکھ سکا۔ نہ عید کارڈ دستیاب تھا۔ نہ قاصد۔ پر حسرت باقی رہی۔ آپ کا خط آیا تو غبار خط کے محور آپکو خط لکھا۔ شاید یہ خط بھی ضیاء الحق کی طرح ہوا میں تحلیل ہوا۔ اور آپ تک نہ پہنچ سکا ورنہ ضرور اس خط کی آپ رسید بھجوا دیتے۔ جیسا کہ آپ کا دستور رہا ہے ویسے آپ سے ''آج'' کی وساطت سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

عدنان شہزاد بھابی بچیاں سب کیلئے ڈھیروں دعائیں قبول کریں۔

دعا گو شمشیر

ڈاکٹر صاحب

خط کو کھولنا پڑا۔ ایک بات یاد آ گئی خط کھولا۔ تو پھر مسئلہ یہ تھا کہ وہ بات کونسی تھی؟

دوبارہ بند کرنے کو تھا کہ یاد آ گیا۔

ہاں ہزاروی کے بارے میں واقعی جامع تبصرہ پڑھنے کو ملا۔ میں نے جس چیز کو

مقدمہ کے محور محفوظ کرلیا۔ میں نے اوروں کے تبصرے بھی پڑھے۔مگر یہ چیز دیگراں ہے۔
واہ کا مقام ہے۔ چپ رہا نہ گیا۔

گاہے گاہے عدنان وغیرہ کے بارے میں بھی لکھا کریں آجکل وہ کیا شغل کر رہے ہیں۔ اور کس منزل پر ہیں اور خود کیا سوچ رکھتے ہیں اور آپ کیا سوچتے ہونگے یا سوچنے لگے۔اس بارے میں بھی مجھے بتادیں۔ایک بار پھر عرض کروں کہ نوٹیفکیشن کے بارے میں ڈاکٹر رؤف سے ملے ہیں۔

عید کب اور کیسے منائیں گے

پیشگی مبارک باد قبول کیجئے

عید کے بعد توفیق ہوئی تو آپ سے ملوں گا بچوں کیلئے پیار اور دعا

فقط دعا گو

پروفیسر شمشیر

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط ملا۔ بی بی سی (BBC) کے طرز پر جواب تھا۔ گویا میرے پہلے خط کا جواب بہانہ یہ تھا۔ کہ اس میں قابل التفات بات نہ تھی۔ اسلیئے اس کا ذکر نہ کیا گیا۔ جبکہ اس خط میں کچھ تقاضے کچھ اشارے اور کچھ فرمائشیں تھیں۔ فرمائش نہیں۔ مقصد واضح تھا کہ منہ کا ذائقہ بدلنے کیلئے اپنے کالموں میں سابقہ حکومت کے بارے میں شدت اور حدت دکھانے پر تھوڑی سی نرمی دکھائی جائے۔ یا پھر اسکو بھلا دیجیے۔ موجودہ سیٹ اپ بھی اسی ڈگر پر چل نکلا ہے۔ یہ وقت بتائے گا کہ

جو امیدیں جگاتی ہیں تو مایوسی سلاتی ہے
نا اپنی صبح ہے ساقی نہ اپنی شام ہے ساقی

اور پھر

تیری دلداریوں سے صورت بیگانگی نکلی
خوشی ایسی بھی ہوتی ہے الم ایسا بھی ہوتا ہے

وہ والی بات رہ جائے گی۔

مزید میں نے چاہا تھا کہ آپ اس بارے میں بھی اپنی فکرمندی ظاہر کریں کہ ہم فارسی ادب سے بیگانے ہوتے جارہے ہیں۔ تدریسی نصاب سے فارسی کو بالکل خارج

کر دیا گیا۔

اس پر ایک مدت سے خاص منصوبہ بندی کے تحت کام ہو رہا ہے تاکہ ------ہاں-----کسی سپر پاور کو خوش کرنے کیلئے۔

گویا فارسی اور عربی سے ہمارا ناطہ اور رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔زبان ہی یک جہتی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔

جلدی میں ہوں۔ باہر سے بلاوا آگیا ہے۔ فاتحہ خوانی میں شرکت کرنی ہے۔ ورنہ چاہتا ہوں جی بھر کر آپ سے کچھ باتیں کروں۔ ہاں میرانشاہ کے پرنسپل سے ملا ہوں۔ آپکا خط انہیں ملا ہے۔ بنوں کے پرنسپل کیلئے جو خط آپ نے مجھے بھیجا تھا۔ میں نے سمجھا وہ میرا ہے اور مجھے صرف اطلاع دی گئی ہے کہ آپ نے ایسا کیا ہے۔ بہر حال بنوں، میرانشاہ اور ڈیرہ کے پرنسپلوں کو آپ کی کتابیں دو عدد فی کالج بھجوا دیں۔ میں آپ سے بزورِ محبت وصول کرونگا۔ البتہ آپ (وی پی پی) پر بھیجوا دیں تو اچھا رہے گا تاکہ وی پی کھولنے کے ساتھ وہ رقم بھی ساتھ ادا کرنے کے پابند ہونگے۔ دیگر کالجوں میں اگر خود جانا پڑے تو بھی مشکل نہیں۔

دعا گو

شمشیر

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

میرے پیارے ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

سرعت سے جواب دے رہا ہوں۔ آپ کے خط نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

میری جان!

ایک موقع پر کہا تھا۔ کہ میں فی زمانہ دوستوں کے سہارے جی رہا ہوں اب کہتا ہوں صرف اور صرف آپ کے سہارے زندہ ہوں اور آپ کے لئے!

اگر آپ مجھے دکھ بھرے خطوط لکھیں گے تو یہ میرے لئے جان لیوا ہو سکتے ہیں۔ جانتا ہوں آپ حساس انسان ہیں۔ یہاں احترام آدمیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ صرف اور صرف اس بازار رسوائی میں زر اور زور سامان زیست بن چکے ہیں۔ ہمیں صرف زندہ رکھنے کیلئے یہاں رکھا گیا ہے۔ کام لینے کیلئے نہیں۔ "لہو اور قالین" ایک بار پھر ضرور پڑھ لیجئے اس کا مرکزی کردار تم ہی ہو۔

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانہ درد

سمجھ میں آنے لگا تو پھر سنا نہ گیا

ہاں کالج جا رہا ہوں پھر کبھی جی بھر کر لکھوں گا آپ وقت نہ جانے کیسا سنا ہے۔ میٹنگ ہے میں بھی بطور تماشا بن جاؤں گا۔

تماشائی نہیں ۔ کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔۔۔دوست

ہاں ۔آپ نے ان خطوں کا کسی بھی خط میں ذکر نہیں کیا۔ جو میں آپکو ماضی میں بھجوا چکا ہوں ۔ایک خط تاج پروفیسر صدر ایسوسی ایشن کیلئے تھا۔ دوسرا خط حال میں بھیجا تھا کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا آپ نے۔

میرے لئے 45 ہزار Recovery کا ایک اور سودائے سنگین کھڑا کر دیا گیا۔

''بنوں پہنچ کر'' وہی Demotion والی بات۔۔۔

سنا ہے پروفیسر ربنواز خان نے recovery کے سلسلے میں case جیت لیا ہے۔اب ان سے ملونگا۔آپ کے خط پر بارے مجبوری اب عمل کرنا پڑے گا۔

کیونکہ اگر recovery ہو جائے تو بعد میں مداوا نہیں ہوگا۔ بہر حال عرض کروں مجھے نرم نرم میٹھی میٹھی باتیں لکھا کریں۔سنگین مسائل سے گھبراتا ہوں۔اب نہ تو رعنائی خیال باقی اور نہ قوت برداشت۔

آپکا بھائی

پروفیسر شمشیر بنوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط بنام جناب محمد نواز شریف صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

السلام علیکم!

بل نقذدالحق علی الباطل فیہ فعہ فھو اذا حق (القرآن)

مفہوم۔حق و باطل کے تصادم میں حق غالب آتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔

میں تہہ دل اور ہدیہ دل کے ساتھ آپکو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور آپ نے جس جذبہ، صبر و بصیرت التفات کے ساتھ حق و باطل کے معرکے میں حق کا ساتھ دے کر عظیم کامیابی حاصل کی ہے وہ قابل قدر ہے۔

آپ نے اظہار حق کیلئے جو قربانیاں دیں۔ تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی۔

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

دعا گو

پروفیسر شمشیر خان

نقول جناب چیف جسٹس افتخار احمد چوہدری صاحب اور دیگر متعلقہ افراد جو آپ کی صف میں شامل تھے اور ہیں۔

خط بنام سینٹر باز محمد خان بنوں

از

پروفیسر شمشیر

بنوں　　　　برخوردار سینٹر باز محمد خان صاحب

السلام علیکم!

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانہ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

آپ جس جانکاہ صدمے سے دوچار ہوئے ہیں اسکا بخوبی ادراک اور احساس اس شخص کو ہوسکتا ہے جو خود ایسے ہی تجربے سے گزرا ہو۔

میری ایک پیاری بیٹی کینسر سے لقمہ اجل ہوئی جس کا صدمہ کئی سال گزرنے کے باوجود تازہ ہے۔ خداوند پاک آپ کو اس صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے اور صلہ بھی۔ آمین۔

ہنگامہ تہجد ہے صبح کاذب ہے وقت شرفِ قبولیت دعا ہے۔ علیل ہوں، علیل اور بیمار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ''الحدیث''

میری دعا ہے۔ آپ کو خداوند عزوجل شانہ برداشت کرنے کی ہمت یزدانی دے، صلہ ملے، غم کا بدلہ خوشیوں کی صورت میں ملے۔ آمین!

دعا کے علاوہ میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ آپ کیلئے سرتاپا دعا گو ہوں۔

خداوند پاک مرحومہ جوانمرگ کو جنت نصیب کرے۔

شمشیر بنوں

خط بنام جناب ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

برادرم عزیز ظہور احمد صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط آج ملا۔ سرعت سے جواب دے رہا ہوں پنشن کے بعد راحت کے ساتھ زحمت بھی ملی۔

ابھی گاڑی کا مسئلہ حل نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ کہ بیچ میں ایک اور آزمائش سے گزرنا پڑا۔ میں نے اپنے مکان کے دروازے کے عین مقابل ایک پلاٹ ایک لاکھ 10 ہزار پر لیا تھا اور انتقال میں صرف 12 ہزار روپے لکھوائے تھے۔ تاکہ فیس کم پڑے، دعوئے شفع کا اندیشہ بھی نہ تھا۔ مگر اب ایک صاحب نے دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ یہ میرا صرف حسن ظن تھا کہ لوگ مجھ سے حیا کرتے ہیں۔ لیکن دھوکہ میں زر و پیسہ سب کچھ ہے اور اب یہ قدر حیات بن چکی ہے۔ پیشی پر پیشاں بھگتا رہا ہوں مقابل کو 98 ہزار کی لت لگ چکی ہے۔ صاحب مال وزر ہے بڑا اسمگلر ہے صاحب تعلقات ہے ان کے یہاں بدمعاشوں کا شعبہ قائم ہو چکا ہے "حسب دستور"

چند دن ہوئے۔ اس نے ڈراما کھیل کر رات کی تاریکی میں جہاں وہ رہتا ہے کسی سے فائر کروادی اور آگ بھی لگائی۔ یہ بتانے کیلئے پروفیسر اسے قتل کرانا چاہتا ہے اپنے گھر کی بالائی منزل سے میرے گھر کی طرف کچھ سوراخ بھی بنوادے اب میرا گھر اس سے بے پردہ ہو چکا ہے۔ میں نے اپنی برادری کے لوگوں کو حالات بتا دیئے۔ وہ لوگ سخت غصے میں

ہیں۔

بنوں کے مشران اور بزرگ لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ ثالث مقرر ہوئے۔ اور ہم دونوں سے ایک ایک لاکھ روپیہ زرضمانت کے طور پر رکھ لئے ہیں۔ اس پر ان کی میرے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ شخص اب گھر چھوڑ چکا ہے۔ نیت معلوم نہیں، شاید خوف عمل کی وجہ سے؟

قرائن سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس کے گھر کی قیمت لگا کر مجھے صاحب اختیار بنایا جائے گا۔ کہ میں قیمت ادا کر کے اس شخص کو یہاں سے فارغ کر دوں یا وہ مجھے میرے پلاٹ کی قیمت ادا کرے۔ اس صورت حال میں وہ شخص میرے اور قریب آجائے گا۔ ان کا مکان لینا چاہوں تو میرے بس کی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ مجھے ماہوار فکس آمدنی چاہیئے۔ بچوں کی تعلیم اور گھر کا خرچہ اٹھانے کیلئے۔ اس لئے باامر مجبوری میں نے پنشن کی رقم بینک میں جائنٹ اکاؤنٹ کے طور پر جمع کرائی ہے۔ تاکہ کچھ تو بینک سے ملا کرے۔

بھائی جان! آپ کو خط بہت پہلے سے لکھا ہے۔ آپ نے اسکا ذکر نہیں کیا۔ میں نے لکھا تھا کہ آپ ڈاکٹر کے ساتھ وعدہ نبھا کر مجھے لکھ دیں۔ کہ کتنی رقم آپ کو روانہ کروں یہ رقم آپ قرضہ کے طور پر قبول کریں گے۔ اور پھر آپ جب منقولہ جائیداد (مردان والی) یا پرانا مکان فروخت کر کے مجھے واپس کریں گے۔ کیونکہ موجودہ حالات میں مجھ میں مزید پلاٹ وغیرہ یا انوسٹمنٹ کی قدرت نہیں ہے۔ ساری زندگی خواری اور ذلت سے نہیں گزار سکتا۔ بچوں کا صرف اسقدر حق ہے۔ بہترین تعلیم و تربیت جو میں کروا رہا ہوں۔
حسب توفیق

مشرق والوں کو لکھدوں گا کہ روزنامہ مشرق مشرک کہلایا جاتا تھا۔ بعض ناقدین کالم نگاروں کے باعث مشرق نئی آب و تاب حاصل کر چکا ہے۔ مجھے فراغت ملے تو بہت

کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے بشرطیکہ

اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں سے

دعا گو!

پروفیسر شمشیر

بنوں۔

خط بنام جناب میاں نواز شریف

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

20-01-2013

صاحب تکریم وعظیم رہنمائے قوم

جناب میاں نواز شریف صاحب مع الخیر ہوں

السلام علیکم!

حق و باطل کے تصادم میں حق غالب تر ہوتا ہے اور باطل مٹ ہی جاتا ہے۔
(القرآن)

میں تہہ دل اور ہدیہ دل کے ساتھ آپ کے حق میں رطب اللسان ہوں۔ خدا آپ کا حامی وناصر ہو۔ آپ نے جس جذبہ، صبر واستقامت اور بصیرت کے ساتھ معرکہ حق میں باطل کے خلاف لانگ مارچ کے ذریعے جناب افتخار محمد چوہدری چیف جسٹس کو رہائی دلوائی۔ آپکا یہ عظیم کارنامہ تاریخ فراموش نہیں کر سکے گی۔ جو تاریخ میں آب زرِ سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔

"یہ خط قندِ مکرر کے طور پر دوبارہ لکھ رہا ہوں کیونکہ مجھے پہلے خط مرقومہ 16/3/2009 کی رسید نہیں مل سکی جس کی مجھے ازحد ضرورت ہے۔ کیونکہ میں اسے اپنے مکتوبات کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کرانا چاہتا ہوں۔

فقط آداب

پروفیسر شمشیر بقلم خود

بَن باس ایک نئی کتاب

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان۔ روزنامہ "آج" (27.03.2004)

صاحب یہ لکھا پڑھی کی دنیا بھی ایک عجیب چسکے دار دنیا ہے۔ جو اسکا ہو جائے یا اس کے اندر چلا جائے۔ اس کیلئے باقی کے مزے ہیچ ہو جاتے ہیں۔ وقت توانائی سرمایہ سب اس پر لٹانے کے بعد بھی نشہ اڑنے کی جگہ بڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں پروفیسر شمشیر علی خان ایڈووکیٹ، عمر 67 برس ہے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے گھر بنوں پہنچتے ہی اس لکھا پڑھی کی دنیا میں داخل ہو گئے۔ میں تیس برس تک ان سے کہتا رہا، مگر انہوں نے کان نہیں دھرا مگر اب قلم کا دیوتا مہربان ہوا تو آگے دیکھا نہ پیچھے لکھتوں کے انبار لگانے شروع کر دیئے۔ ایسا لگتا ہے بند ہی ٹوٹ گیا ہے وہ دو برس میں تین کتابیں لکھ کر چھپوا چکے ہیں اور چوتھی کی تیاری میں مصروف، شمشیر خان شاعر نہیں مگر نثر میں زبان شعر استعمال کرتے ہیں۔ ایک انہوں نے اپنی خود نوشت لکھی۔ اس میں بہت سی ناگفتہ بہ باتیں کہہ دیں۔ اب دو جلد، میں بنوں کی ثقافتی وقبائلی تاریخ ''بن باس'' کے نام سے لکھ ڈالی۔

میرے ہاتھ میں اسوقت ان کی ''بن باس'' حصہ دوم ہے۔ دوسو صفحات کی یہ کتاب کئی لحاظ سے اہم اور دلچسپ ہے۔ بنوں کی تاریخ پر دو انگریزوں میجر ایڈورڈ اور ڈاکٹر پینل نے بیش بہا کام کر رکھا ہے۔

اتفاق سے یہ دونوں کتابیں میں نے پڑھ رکھی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ بنوں کی قدیم تاریخ پر ان سے زیادہ اور بہتر تحقیقی کام کوئی اور کر سکے گا۔ چنانچہ پروفیسر شمشیر نے بھی انہی دو کتابوں سے اپنی کتاب میں بھرپور استفادہ پورے احترام و اعتراف کے ساتھ کیا ہے۔ جس طرح ان دو انگریزوں کی علمی کاوشوں کے بغیر بنوں کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

اسی طرح ان کی کتابوں کے بغیر پروفیسر شمشیر کی کتاب بھی مکمل نہیں ہوتی۔ اس کتاب کے ذریعے پروفیسر شمشیر ایک بے فکر و بے نیاز پروفیسر سے آگے بڑھ کر ایک مؤرخ و محقق کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ شمشیر کا ذہن شاعرانہ قلم خطیبانہ، مزاج قلندرانہ اور باغیانہ ہے۔ وہ نظریاتی سیاست کے میدان میں بھی گھوڑے دوڑاتے ہیں اب تاریخ و ثقافت کے میدان میں داخل ہونے کے بعد وہ اس میں بھی خطابات و بغاوت کے جد جگائے دیکھائی دیتے ہیں۔ اس میں اہل بنوں اور قبائل بنوں وزیر اور مروت کے رسوم و رواج کے بارے میں دلچسپ معلومات کو یکجا کیا گیا ہے۔ مصنف نے بنوں کا باشندہ ہونے کے باوصف سب کچھ بلا کم و کاست اور بلا تعصب لکھ دیا ہے۔ مثلاً کتاب کے صفحات 19 اور 20 پڑھنے کے لائق ہیں اس میں نسوار اور برلب سڑک پیشاب کرنے کی ہماری ثقافتی عادات اور مناظر کو دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہوئے اس پر سرخی جمائی ہے۔ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی اور خاص طور پر ڈرائی کلینگ کے عمل کو خشک سائی یا خشک شوئی سے عبارت کر کے وٹوانی کے نئے معنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ صفحہ 47 پر ایڈورڈ کے حوالے سے ایک انکشاف کے ذریعے بنوسی قبائل کی جنگ جویانہ صفات کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ جب اس نے علاقے کے دو بزرگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا، کہ اس علاقے میں کوئی آدمی بوڑھا ہوتا ہی نہیں بلکہ جوانی میں ہی دشمنیوں کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اسی طرح صفحہ 75 پر ڈاکٹر پینل کے حوالے وزیری کی خصوصیات کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہوئے کہا ہے کہ، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ڈاکٹر کا نسخہ بجائے استعمال کرنے کے تعویز بنا کر گلے میں ڈال لیتے تھے۔ پوچھنے پر بتاتے تھے۔ کہ بڑا ظالم نسخہ ہے اس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔ یہ پادری صاحب کا لکھا ہوا تعویذ ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔ وزیر بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اکثر مہمانوں کو صبح دنبہ نہ کھلا سکے تو رات کو کہیں سے دنبہ لا کر ذبح کر کے مہمان کو نیند سے اٹھا کر

زبردستی کھلاتے اور حق مہمان نوازی ادا کرتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری انکا خاصہ رہا ہے۔ پیدائش کے بعد بچے کو ایک روزنِ دیوار سے گزار کر دعا اور تاکید کی جاتی ہے ''غل شہ خدائی دے مل شہ'' خدا حامی و ناصر ہو۔ (چور بن جاؤ) وزیر کو انعام دینا چاہو تو نہیں لے گا رات کو مہمان بناؤ۔ تو وہی سامان چرا کر لے جائے گا۔ اس کو چھین کر کھانے میں مزا آتا ہے۔ صفحہ 139 پر ایک عنوان قائداعظم کی ضد بااصول کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں شملہ کانفرنس میں ہندوؤں کی نمائندگی کیلئے مسلمان نمائندوں کے تقرر کو درست اور قائداعظم کے اس موقف کو کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قائداعظم اس کھیل کو سمجھتے تھے۔ اس لیئے مسلمانوں کے کسی شو پیس کو کانگرس کی طرف سے سامنے لاکر تقسیم ہند کے موقف کو غلط ثابت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس مرحلے پر شمشیر علی تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ کانگرس تحریک آزادی کی آڑ میں عددی جمہوریت کا پارلیمانی نظام کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے تابع بنانے کی چال چل رہے تھے۔ قائداعظم کہاں ایسی باتوں میں آنے والے تھے۔ کتاب کے صفحہ 149 پر شمشیر علی، غلام اسحاق خان کے کردار کی ستائیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نواز شریف اور بے نظیر دونوں اس کے اعلیٰ معیار پر پورے نہ اتر سکے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلام اسحاق کونسے معیار اور استحقاق کی بات کرتے تھے۔ وہ تو خود ایک بیوروکریٹ ہوتے ہوئے پتہ نہیں کن راستوں سے اور کس کس کو پھانسی چڑھوا کر صدارت کے عہدے پر جا پہنچے تھے۔

ضیاء الحق اور اسکے مارشل لاء کو برپا کرنے اور بھٹو کو پھانسی چڑھواتے وقت اسحاق خان کے سامنے کونسا اعلیٰ معیار تھا۔ شمشیر خان کی یہ کتاب ان کے جذبے اور فکر کی

آئینہ دار ہے۔ جو کچھ مصنف کے اندر ہے۔ اس نے اسے سینہ قرطاس میں بو دیا ہے۔ ان کا انداز غیر نمائشی اور فطری قسم کا ہے۔ ان کی تحریر میں کہیں کہیں کچی نیند کا خمار اور رت جگا بھی ملتا ہے۔ کہیں شرینی کلام، تلخی تحریر میں ڈھلتی ہے۔ مگر سب کچھ اسلوب کا ایک لازمی حصہ ہے۔ یہ کتاب کسی حد تک سوانحی بھی ہے۔ مصنف کو تاریخی باتیں بھی اپنے حوالے کہنے کا شوق ہے۔ اس سے تحریر میں ایک طرح کی انسانی حرارت پیدا ہوتی ہے۔

خالص تاریخ اور سائنس کی کتابوں میں ایسا کرنا مشکل ہوتا ہے اس سے کتاب کی معروضیت متاثر ہوتی ہے۔ مگر عام قاری کسی تحریر کو اسوقت پڑھتا ہے جب اس میں کوئی انسان دھڑکتا بھڑکتا نظر آئے۔ بنوں کی تاریخ نے گمشدہ ابواب کو اپنی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس نے دو کتابوں بن باس اول، دوم کی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔ پروفیسر موصوف کا ایک اور کمال مکتوب نویسی بھی ہے۔ عجب گرما گرم آدمی ہے۔ کبھی کبھی دن میں تین تین خط لکھ کر بذریعہ کوریئر بھیج دیتے ہیں۔ یعنی ایک خط روانہ کیا پھر کوئی بات یاد آئی دوسرا خط لکھ کر اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔ کوریئر سروس کا سکوٹر سوار حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ ایک ہی آدمی تین تین بار مجھے آپ کے گھر کیوں بھیجتا ہے۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ اسمیں کیا لکھا ہوتا ہے۔ برخوردار جاؤ اپنا کام کرو۔ یہ فرزانگی کی باتیں نہیں درد دل والوں کی اشک آلود باتیں ہیں۔

شمشیر کے اور میرے نظریات میں کافی فرق ہے اسکی کیسٹ ماضی کے ٹیپ ریکارڈ میں پھنسی ہے۔ جبکہ میں مستقبل بین ہوں۔ فصل کا نہیں وصل کا قائل طلبگار اس عمر میں باوجود شدید علالت اور معذوری کے وہ علم اور حکمت کی دنیا میں پوری طرح سرگرم عمل ہے۔ یہی بات انکا کریڈٹ بڑھا دیتی ہے۔

ظہور احمد اعوان پشاور

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

Dr. Inayatullah Faizi

Degree College Chitral (PK)

7-7-2005

گرامی قدر پروفیسر شمشیر صاحب۔ اسلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ

امید ہے مزاجِ گرامی خیر و عافیت ہیں۔ حیات آباد سے آپکا خط ایسے وقت پر ملا جب حیات آباد سے ڈاکٹر شاہجہان سید (چیئرمین جرنلزم ڈیپاٹمنٹ) چترال تشریف لا رہے ہیں۔ آج وہ ڈاکٹر احسان علی کے ساتھ چترال پہنچ رہے ہیں۔ آپکو میں نے دعوت دی مگر ''آب ودانہ کا معاملہ ہے''

میں پروگرام کے مطابق 20 جون کو پشاور آیا تھا 21 جون کو اسلام آباد چلا گیا۔ گھر سے ٹیلی فون ڈائریکٹری لینا بھول گیا۔ اسلئے رابطہ نہ کرسکا۔ البتہ بختیار سنز والوں سے پوچھا مگر انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

4 جولائی کو اسلام آباد سے واپس آیا اور پشاور سے چترال کیلئے کرائے کی گاڑی لے لی۔ (تسکین مسافر نہ سفر نہ حضر میں) ہاں کتابیں روزنامہ آج کے دفتر سے بھی مجھے مل جائیں گی۔ وہ لوگ بنڈل میں ڈال کر بھیج دیتے ہیں۔ دیر لگتی ہے مگر مل جاتی ہیں۔ ملنے ملانے اور گپ شپ کے معاملے میں موجودہ فضاء بہت ناموافق ہوگی ہے۔ وقت سکڑتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وقت کی طنابیں کھینچی جا رہی ہیں۔ 6 جولائی کے اخبار میں'' سیکولرازم کیا ہے'' کے زیرعنوان میری ٹوٹی پھوٹی تحریر شائع ہوئی ہے۔ اگر اس پر آپ کی رائے سامنے آئے تو میری خوش بختی ہوگی۔

ے صائب دو چیز شکند قدر شعررا
سکوت سخن شناس و تحسین ناشناس

والسلام

نیازمند

عنایت اللہ فیضی چترال

PS بنوں سے حسن علی شاہ صاحب کا خط آیا تھا۔ آپ کا حوالہ تھا۔ میں نے اخبار میں بھی اسکو Entertain کیا اور ذاتی جواب بھی دیدیا ہے۔

پروفیسر شمشیر علی خان کا نیا کارنامہ

پروفیسر شمشیر علی خان کی کتاب بنوں نامہ میرے سامنے ہے، پروفیسر صاحب اپنے آپکو شہید بنوں کہتے ہیں جبکہ میں ان کو مؤرخ بنوں کے نام سے یاد کرتا ہوں، ان کا قلم بنوں کے اندر وارد گرد پھرتا ہے، اب تک وہ بنوں پر تین کتابیں تو لکھ چکے ہیں، بن باس حصہ اول، بن باس حصہ دوم اور آپ بیتی جو بنوں کے ہی گیر چا پیر پھرتی ہے، اب چوتھی کتاب بنوں نامہ متلونہ ومثالونہ وضرب الامثال بنوں کے نام سے سامنے آئی ہے، ایک اور کتاب مکتوبات شمشیر بھی ہے۔ میں حیران ہوں کہ ان جیسا بھلکڑ آدمی جو میرے دوسو سے زیادہ خطوط نذر آتش کر چکا ہے، اسے یہ ہوش کہاں ہوگا کہ اپنے خطوط کی کاپیاں رکھے۔ اگر یہ خطوط دوستوں کی طرف سے ان کے نام آتے ہیں تو پھر اس کتاب کا نام کچھ اور ہونا چاہئے، بہر کیف شمشیر از شمشیر۔ ایک اور کتاب وہ الہامات رحمٰن بابا کے عنوان سے ترتیب دے رہے ہیں، شمشیر کا قلم اب رواں ہو گیا ہے۔ ان کے قلم کی اس روانی میں میرا بھی کچھ ہاتھ ہے۔ ان کی عمر کوئی 75 برس ہے گویا ریٹائرمنٹ کو بھی پندرہ برس ہو چکے، وہ کافی عرصہ پریشان بھی رہے کہ کریں تو کیا کریں، میں ان کو بار بار قلم اٹھانے کی طرف راغب کرتا مگر وہ بدک جاتے بلکہ بھول جاتے۔ پھر چند برس پہلے ایک بیماری کی وجہ سے ان کی ایک ٹانگ کو کاٹنا پڑا پھر تو وہ گھر میں گویا مقید ہو گئے زیادہ سے زیادہ موٹر میں بیٹھ کر کہیں ادھر ادھر نکل جاتے مگر تا بہ کے آخر ان کو میرا مشورہ ماننا پڑا۔ شمشیر بہت اچھے مقرر رہے ہیں مگر مطالعے کے باب میں ذرا ماٹھے ہیں۔ اگر وہ اپنے فالتو اوقات میں بڑی بڑی کتابیں پڑھتے تو ان کی تحریروں میں علم کی مزید چاشنی آجاتی، شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی جولانی طبع کا میدان بنوں کو ہی چنا ہے، جس کے باسی ہونے کے ساتھ وہ اس کے چپے چپے سے واقف

اور تاریخ کے ہر موڑ کے جانکار ہیں۔ میں اکثر ان کو بنوی تاریخ کا جدید ڈاکٹر پینل کہتا ہوں، ڈاکٹر پینل ایک انگریز تھا جو کافی عرصہ بنوں میں بسلسلہ ملازمت متعین رہے مگر انہوں نے بنوں پر جتنا کچھ اور جس معیار کا لکھا اس کے پاس بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا، وہ بنوں کی تاریخ پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اہل بنوں نے ان کو فراموش نہیں کیا بلکہ ان کے نام پر ایک بڑا ہسپتال بنوں میں زیر تعمیر ہے۔ شمشیر خان خطابت کے دھنی تھے۔ مگر تحریر و اشاعت سے گریزاں رہتے کیونکہ یہ کام مشکل ہوتا ہے، اس کے لئے مصنف کو ایک ایک لفظ کا حساب رکھنا و جواب دینا پڑتا ہے، مگر آخری عمر کی معذوری نے ان کے ہاتھ میں آخر کار قلم پکڑا ہی دیا، پھر انہوں نے مڑ کر نہیں دیکھا، مجھے ان کے مکاتیب کی کتاب دیکھنے کا از حد شوق ہے، دیکھیں اس کا نمبر کب آتا ہے۔ شمشیر علی خان میرے تیس برس کے پرانے دوست ہیں، ہم دونوں کئی برس تک ڈیرہ اسماعیل خان میں ساتھ رہے، جہاں میں ضیاء لاحق کے زیر عتاب شہر بدری کے چرکے سہہ رہا تھا، اس وقت شمشیر علی خان میری ڈھال اور ڈھارس بنے رہے، جب حکومت کے کارندوں نے میری ملازمت برخاست کرنے سے قبل مجھے کالج کے ہاسٹل سے نکلوانے کا بھی نوٹس دے دیا، تنخواہ میری ویسے بند کردی گئی تھی، یہ کہہ کر کہ تمہارے خلاف انکوائری ہو رہی ہے، اس انکوائری کی الگ داستان ہے۔ میں ایک بار اتنا تنگ آیا کہ دریائے سندھ میں چھلانگ لگانے کو جی چاہا، وہ نہ کر سکا تو جا کر استعفیٰ داغ دیا، شمشیر علی خان بجلی کی طرح میرے تعاقب میں آئے اور پرنسپل پروفیسر عبدالرؤف کے ہاتھ سے میرا استعفیٰ چھین کر پھاڑ ڈالا۔ اس کی میری دوستی کے کئی ادوار رہے ہیں۔ فی الحال میں ان کی تازہ کتاب پر بات کرنا چاہتا ہوں، یہ ایک منفرد قسم کی کتاب ہے، پشتو کی مشہور قبیلوں کی تشریح و توضیع انہوں نے اردو زبان میں بڑی خوبصورتی سے کردی ہے، اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کا اعزاز بھی مجھے ملا اور سخن من کے عنوان سے ان کے

لائق فائق اور شریف النفس فرزند ڈاکٹر احمد فواد نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "میرے ابو میرے دوست ہیں اور میری سب سے پسندیدہ شخصیت، ہم بعض اوقات اختلاف رائے بھی کرتے ہیں مگر پھر ان پر اور مجھ پر محبت غالب آ جاتی ہے اور ہم سب کچھ بھول کر ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے ہیں اور سارا گلہ شکوہ جاتا رہتا ہے۔" ڈاکٹر احمد فواد لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر فواد پانچ برس برطانیہ رہ کر وہاں سے اعلیٰ ڈگری اور اعلیٰ تجربہ بھی ساتھ لا چکے ہیں۔ ان کی اہلیہ بھی ڈاکٹر ہیں اور وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے اس کے ساتھ ہی گئی تھیں وہ چاہتے تو ہمیشہ برطانیہ میں رہ سکتے تھے۔ میں نے لندن میں اس سے کہا کہ فواد کیا کرو گے وطن واپس جا کر، یہیں بس جاؤ، یہاں بڑے مواقع ہیں، وہ میرا حد درجہ احترام کرتے ہیں مگر اس نے مجھے ایسا سخت جواب دیا کہ مجھے ایسا مشورہ دینے پر اپنے آپ سے شرمندہ ہونا پڑا، اس نے کہا سر! میں اپنے باپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، میں برطانیہ میں رہ کر ممکن ہے لاکھوں پاؤنڈ کما لوں اور ساری جیبیں بھر کر کچھ عرصہ بعد جاؤں اور میرے والد صاحب نہ ہوں تو کیا یہ ڈالر پاؤنڈ مجھے میرے والد صاحب واپس دلا سکتے ہیں، میں ان کی خدمت سے اپنے آپ کو محروم نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے یہ واقعہ صرف اس لئے لکھا ہے کہ آج کی ناخلف اولاد یہ پڑھ لے اور سمجھ لے کہ ماں باپ کے قدموں کے نیچے واقعی جنت ہوتی ہے، اگر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے یا زندگی میں بڑی کامیابیاں حاصل کرتا ہے تو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ جب وہ ننھی سی جان تھا تو اس کی گندگیوں کو کس نے صاف کیا تھا، کس نے گھوڑا بن کر اسے سواری کرائی تھی، کس نے کاندھے پر بٹھا کر اسے میلے کی سیر کرائی تھی۔ ہماری اولادیں بڑی ہو کر یہ سب باتیں بھول جاتی ہیں اور اپنے والدین کے سامنے تیغ ہو جاتی ہیں۔ فواد میرا برخوردار ہونے کے باوصف میرا بھی دوست ہے اور میرے ساتھ اپنے دل کی باتیں بھی کر لیتا ہے اب اس کتاب کی اشاعت میں بھی فواد نے اہم کردار ادا کیا

ہے، اس نے اپنے والد کوخود دار اور جرأت اظہار کا پیکر قرار دیا ہے، انہیں اپنے والد کے اشعار کے برمحل استعمال میں ابوالکلام آزادنظر آتے ہیں، انھوں نے ایک متل کو اس طرح ترجمہ واشعار سے مزین کیا ہے۔ ''صبوشی غم پیداشی''، یعنی صبح ہوتے ہی غم نمودار ہو جاتے ہیں، پھر انھوں نے دو اشعار نقل کئے ہیں جن سے مفہوم میں مزید تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
غم اگر چہ جاں گسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غمِ دل اگر نہ ہوتا غم روز گار ہوتا
آلام نے روزا گار کو آسان بنادیا
خو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے
بے صدا ہوجائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

ایک اور متل کی تشریح اس طرح کی ہے'' سہ کوم پہ ھغہ سپر لی چہ نہ مے دوری سری نہ نخی''(بہار آئے تو مجھے کیا، میرے پاس کون سے مال مویشی زمین کھیت جائیداد ہیں جو میں بہار کی آمد پر خوشیوں کا اظہار کروں) پھر وہ غالب کا شعر کوٹ کرتے ہیں۔

ے توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام وسبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

غالب بہار کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہہ چکا ہے، اس کے دو الگ الگ مصرے کچھ اس طرح ہیں۔

ے نہ ہو بہار کو فرصت بہار تو ہے
نہ ہونگار کو فرصت نگار تو ہے

اور فیض احمد فیض تو یہاں تک پکار اٹھتا ہے کہ میرے زندان کا روزن جب بجھتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کہ میں تو تاریکی میں ڈوب گیا، میرے محبوب وطن کی مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگئی۔ شمشیر کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اسلئے لکھی ہے کہ ایسا وقت آنے والا ہے جب آئندہ نسلیں اپنی زبانیں بھول جائیں گی اور زبان کی ٹکسالی کیفیت معدوم ہوجائے گی اور کہا کہ انہوں نے یہ کتاب ایک شب بھر کی مصروفیت میں لکھی، اگلی صبح تک متلونہ ومثالونہ کا معتد بہ ذخیرہ ذہن کے پردے سے کاغذ کے پروزوں پر منتقل کردیا۔ انہوں نے اقرار واقعی کے عنوان سے ایک وضاحتی نوٹ بھی لکھا ہے کہ کئی متلونہ ایسے الفاظ سے متعلق ہوتے ہیں جن کا ذکر کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے، جو حساس اور طبع نازک پہ گراں گزرتے ہیں۔ میں نے بہت سی کارآمد متلونہ اس لئے مسترد کردی ہیں کہ ان کے بیان سے شرفاء کی محفل میں نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ یہ پیشہ ورانہ خیانت ہی سہی پر شرم وحیا بھی کوئی شے ہوتی ہے۔ آپ مجھے جو بھی کہیں میں نے چہار حرفی Four letter words سے شعوری طور پر گریز کیا ہے۔ بقول شاعر

ے دنیا کے بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

مگر محترم شمشیر صاحب، کوئی ڈکشنری ایسے الفاظ کو فراموش نہیں کرسکتی۔ اردو ڈکشنری کے خالق ڈاکٹر جانسن کے پاس ایک خاتون آئی اور اس نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ کی ڈکشنری تو غلیظ گالیوں سے بھی بھری پڑی ہے، ڈاکٹر جانسن نے کہا مادام آپ ان کی ہی تلاش میں مصروف تھیں اس لئے آپ کو وہی مل گئیں۔ Madam you were

looking for it اگر کوئی شریف آدمی چھ لاکھ الفاظ کی ڈکشنری میں پانچ لاکھ ننانوے ہزار الفاظ کو چھوڑ کر صرف سو پچاس ان لا فانڈ کو ڈھونڈتا پھرے تو اسے یہ ہاتھ آجائیں گے، ان کو نظر انداز کر کے کوئی ڈکشنری کیسے لکھی جا سکتی ہے۔ بہر کیف خیال اپنا اپنا، شمشیر کے قلم کو حیاء آگئی، میں ان کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں اور ایک بات کا اضافی انکشاف اپنے ایک دور پار کے دوست کی اجازت کے بغیر کر دیتا ہوں کہ آج کل وہ اردو کی نا قابل اشاعت سینہ بہ سینہ شاعری کو اکٹھا کر رہے ہیں، اور اسے چھاپنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے چھپتے ہی اس پر بین لگ جائے گا اور پھر یہ کتاب مہنگے داموں ہزاروں کی تعداد میں بکے گی۔

(ڈاکٹر ظہور احمد اعوان)

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

شعبہ اردو

پشاور یونیورسٹی

13/02/1999

برادرم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

میں اولڈ ڈاکٹر ہاسٹل کمرہ نمبر 106 میں ڈاکٹر فواد شمشیر کے ہاں آپ کا انتظار کرونگا۔

جانا تھا پر آپ کیلئے رہ گیا ہوں میں دیر تک گویا شام تک آپ کے انتظار میں دل جلاؤں گا؟

دعا گو

شمشیر

نوٹ: یہ خط ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے پیڈ سے پروفیسر شمشیر علی خان نے خود ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کو لکھا تھا۔

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر علی خان

بنوں

9/12/1999 ڈاکٹر صاحب

تادیر زندہ رہو

السلام علیکم!

آپ کا ہر کالم لاجواب ہوتا ہے۔ مگر "جنرل صاحب آگے سمندر" تو میرے سوالوں کا جواب تھا۔ ایسا بار ہا ہوا۔ کہ میں نے آپ کے کالم اور کلام سے متاثر ہو کر اپنے تاثرات قلم بند کر کے دوسرے دن پوسٹ کرنا چاہا مگر دوسرے دن ایک اور کالم نظر سے گزرا۔ چاہا کل والے سے درگزر کر کے موجودہ پر کچھ لکھا جائے۔

چنانچہ میرے اوقات اسی آج کل کی نظر ہو رہے ہیں واہ کا مقام ہے۔ اسی کو حقیقت پسندی بلکہ جرات اظہار کہتے ہیں جو سلیقہ چاہتا ہے۔ جسے آپ خوب نبھا رہے ہیں۔ میں نے عشرہ ہفتہ پہلے ایک خط لکھا تھا آپ کا بھی ایک خط 2/12 کو پڑھنے کو ملا میں سمجھا میرے خط کا جواب ہے۔ مگر اسمیں مژدہ جاں فزا پایا کہ ایک نئی کتاب کیساتھ آپ ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اسکی پذیرائی کیلئے عید کے بعد خاص پروگرام بنائیں گے۔ جنوبی اضلاع کے کالجوں تک رسائی کا میں اہتمام کرونگا۔ باقی کام آپ خود سنبھال لیں گے شاید میرا خط آپ کو نہیں ملا ہے ورنہ آپ ضرور اسکا ذکر کر دیتے۔ پشاور آیا تھا مگر درد دندان نے سنبھلنے نہیں دیا۔

اس سرعت تام کیساتھ واپس بنوں آیا۔ دانت کی شرارت کا خاتمہ کرا دیا اور اسے

عضو معطل بنا کر پھینک دیا گیا۔ جس سے پورا جبڑا ڈینچر بیکار ہوا۔ اور دوسرا بنانا پڑے گا۔
جبکہ پورا ایک مہنہ اسمیں لگ سکتا ہے۔ کہ زخم مندمل ہو۔

اب تو بولنے میں دقت پیش آتی ہے۔ ہر لفظ کے اختتام پر سر سر کی آواز نکلتی ہے۔
جس سے موسیقی کا سر پیدا ہوتا ہے۔ ہاہاہا۔

عدنان وغیرہ اور دیگر بچوں کیلیئے بہت ساری دعائیں۔

دعا گو۔

شمشیر

بنوں

خط بنام محمد اکرام خان درانی وزیر اعلیٰ سرحد

از

پروفیسر شمشیر علی خان

ایم اے بی ٹی، ایل ایل بی

عزیز القدر جناب محمد اکرام خان درانی وزیر اعلیٰ سرحد

السلام علیکم!

امارت کے حصار میں محصور ہو۔ ملنا دشوار اور ہم دیدار کیلئے بیقرار، وقت مانگا تھا۔ خواہش پوری نہ ہوسکی خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، بات یہ ہے کہ ہم آپ سے کم وقت میں زیادہ کام لینے کے لئے روادار اور خواستگار ہیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ تیزی سے گزر رہا ہے۔

حالات کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ عرض یہ ہے کہ مجوزہ بنوں میوزیم کا نام شوال میوزم رکھا جائے۔ یہ اقوام بنوں کا مشترکہ مسکن رہا ہے۔ اس کے لئے کوئی ہال، کمرہ، طاق یا مکان فی الحال کرایہ پر لیا جائے۔ اس کا انچارج فی الحال کوئی نائب تحصیل دار کے عہدے کا اہلکار، دوکلرک اور چند پولیس اہلکار درکار ہیں۔

قصابان چوک والی مسجد کا نام مولانا عبدالرحیم پوپلزئی رکھا جائے یہاں ایک فوارہ تعمیر ہو۔ سائن بورڈ پر مولانا کا نام کندہ ہو۔ مولانا کو اسی مسجد سے 1940ء میں گرفتار کر کے 5 سال کے لئے قید کیا گیا تھا۔ بعد میں تین سال کی قید اور پھر جیل میں عدم سہولت کی بنا پر صحت خراب ہوئی تو اسے رہا کر دیا گیا۔ چند ماہ بعد رحلت فرما گئے۔ 1944ء کی بات ہے۔

آپ سے توقع ہے کہ آپ اس قسم کی یادگار تعمیر کر کے تاریخ میں اپنا نام زندہ

رکھیں گے۔ پوپلزئی مرحوم کی ساری زندگی میں اپنا نام زندہ رکھیں گے۔ پوپلزئی مرحوم کی ساری زندگی جہد مسلسل اور جیل سے عبارت ہے۔

شمشی خیل کے نزدیک دریائے کرم پر پل تعمیر کرائیں۔ تاکہ جھنڈو خیل کو بنوں سے منسلک کرایا جاسکے۔ اسطرح بنوں متحد مجتمع اور منسلک ہو جائے گا۔

بنوچی سکاوٹ کا نام باعث توہین ہے۔ بنوں وال سکاوٹ ہونا چاہیئے۔ ایڈورڈ نے بھی لکھا ہے کہ بنوچی خود کو بنوں وال نام سے پکارنا پسند کرتے ہیں۔ ماضی میں بنوں ساختہ ہر چیز کو بنوں وال کہا جاتا تھا۔ بنوں وال چپلیاں، بنوں وال قمیص، بنوں وال فیشن، بنوں وال پگڑی، بنوں وال گھی وغیرہ وغیرہ۔

مجھے احساس ہے کہ آپ کو فرصت نہیں مگر جب بھی موقع ملے میری ان سطور پر عمل کر کے خود کو ناگزیر دائم وقائم بنادیں۔

دعاگو۔

پروفیسر شمشیر

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

Dr. Inayatullah Faizi (Columinst Daily "AJJ")

Degree College Chitral (PK)

10 June 2005

گرامی قدر پروفیسر شمشیر صاحب۔

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔

خدا کرے مزاج شریف بخیر ہو۔ آپ کا دوسرا خط 5 جون کو ملا تھا۔ میں نے 5 دن پہلے خط کا انتظار کیا۔ پہلا خط جس کا آپ نے دوسرے خط میں ذکر کیا تھا۔ آج مل گیا۔ دونوں کی رسید ایک ساتھ دے رہا ہوں۔ چترال آنے والی ڈاک پشاور ائرپورٹ پر دو تین ہفتے بے پرسان پڑی رہتی ہے۔ روزنامہ آج والوں نے آپ کا خط اخبار کے بنڈل میں ڈال کر میرے ہاکر کو بھیجا یوں آپ کا وار کارگر ہوا۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب اس مسئلے پر دوبارہ مجھ سے ناراض ہوئے۔ خطوط کے معاملے میں مجھ سے نادانستہ کوتاہیاں ہوئیں۔ انہوں نے دانستہ بے نیازی یا بے اعتنائی پر مجبور کیا۔ اور روٹھ گئے۔ آپ نے کتابیں بختیار سنز بازار قصہ خوانی پشاور کی معرفت مجھے ارسال نہیں کیں۔ میں 26 مئی سے 31 مئی تک پشاور اسلام آباد اور ایبٹ آباد کے چکر پر تھا۔

بختیار سنز کو 30 مئی کو گیا تھا۔ وہاں سے بے نیل ومرام لوٹا۔ 20 جون تک پھر پشاور کا پروگرام ہے۔

اگر آپ نے بھیجیں تو وہاں سے لے لوں گا۔ میری منزل پشاور نہیں ہوتی۔ اسلام آباد یا ایبٹ آباد ہوتی ہے۔ سوات بھی آنا جانا زیادہ ہے۔ پشاور کو کبھی کبھار آتے جاتے

Touch کرتا ہوں۔ ''دِلپشوری'' کرنے کیلئے۔ تقریر بازی، مجلس آرائی اور میل ملاپ بھی رکھتا ہوں۔ اب پشاور میں ایسی سرگرمیاں ممکن نہیں رہیں۔

اسلام آباد میں زیادہ وقت گزرتا ہے۔ اسلئے ممکن ہو جاتی ہیں۔ آپ نے میرے دل میں گھر کرلیا ہے۔ مجھے پچھتاوا سا ہو رہا ہے کہ آپ سے تعلق پہلے استوار کیوں نہ ہوا۔ آپ سے شناسائی کا یہ انداز خوب رہا۔ بقول فراز

ے نہ کوئی چاپ نہ کوئی سایہ نہ سرگوشی
مگر یہ دل بضد ہے کہ نہیں نہیں کوئی ہے

آپ نے داد بیداد کی داد لے کر مجھے شرمندہ کر دیا۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے اردو اخبارات کا حال پتلا پتلا ہوتا ہے۔ اسلئے تبصرے، اظہار رائے یا شذرے میں تھوڑی سی جان ہو تو اندھوں میں کانا راجا والی بات ہوتی ہے۔ آپکی طرف سے ستائش نے میرا حوصلہ بڑھایا ہے۔ فراز کا یہی دوسرا شعر آپکی نذر کرتا ہوں۔

ے ہم کو گلچیں سے گلہ ہے گل و گلشن سے نہیں
تجھ کو آنا ہو تو اے بادصبا بسم اللہ

فراز کے بسم اللہ کے ساتھ آپ کو ''چترال یاترا'' کی دعوت دیتا ہوں ہم ''پابہ زنجیر'' لوگ جولائی کے مہینے میں 30 دن کی آزادی پاتے ہیں۔

سلام و آداب کے ساتھ

والسلام

نیاز مند

عنایت اللہ فیضی

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

25/1/96

بھائی اعوان صاحب

السلام علیکم!

ابھی ابھی آپ کا گرامی نامہ ملا۔ بڑی تاخیر کے ساتھ ڈاکخانے والے بھی عجیب الخلقت لوگ ہیں۔ یہی ایک ادارہ تھا جو زمانے کے دست برد سے بچا تھا۔ مگر اسکا حال بھی بدحال ہوا ہے پچھلے دنوں میں نے UMS کے ذریعے۔ فواد کو خط ارسال کیا مگر 10 دنوں بعد بھی نہیں ملا۔ بچارے نے خود آکر مطلوبہ ڈاکومنٹس وصول کئے۔ ہاں آپکو رسید لکھ رہا ہوں کہ مجھے آپ کا گم شدہ خط مل گیا ہے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ دل پر درد سے کام لینا جانتا ہوں۔ آپ اپنی آفر واپس نہ لیں۔ البتہ جب سارے دوست ہمارے یاد آتے ہیں۔ تو کچھ آزردگی مانع آتی ہے۔ پھر وجہ تسلی ''واسطی'' بنتے ہیں۔ شاید وہ مانع کار رہے ہوں۔ کیونکہ ماضی میں انہوں نے مجھے بڑے دکھ دیئے مار آستین کے طور پر۔ مجھے جو بھی تیر لگا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ان میں واسطی صاحب ہی نظر آئے۔ جبکہ میں نے اکثر و بیشتر اسکا ساتھ دیا تھا۔

قبائلیوں کے بارے میں کہاوت ہے۔ کہ زر و زور ان کی کمزوری ہے۔ وہ زر کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اور زور کے سامنے سے بھاگتا ہے۔ مگر واسطی صاحب نے سب کو مات کر دیا۔

انگریزوں نے مرد کہسار پر یہ کچھ کر کے فطرت کے مقاصد سے انہیں دور رکھا۔

یہی انگریزوں کا مقصد وحید تھا۔

بظاہر ''سارے دوست ہمارے'' میں جگہ نہ پا کر آپ سے دور ہو گیا۔ اور یہی کچھ آپ چاہتے بھی تھے۔!!! مگر اعوان صاحب ایسا نہ ہو کہ پھر مجھے پا بھی نہ سکو۔

دعا گو

فقط آپکا شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

7/1/1998

برادرم ظہور احمد اعوان صاحب

السلام علیکم!

سنا ہے۔ ہر پتھر میں انسان ہر ورق میں تصویر جاناں رہتی ہے۔ ہر آدمی میں ایک دوسرا انسان چھپا رہتا ہے۔

ہاں من چہ مے گویم ظہور من چہ مے سراید

ہاں TV بہت کم دیکھتا ہوں مگر 5 جنوری شام 1 بجے آپ کو دیکھا۔ سمجھا خلائی مخلوق سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو انسانوں کی ضرورت نہیں رہی۔

بہرحال آپ نے حق سپاس ادا کیا ہوگا کیا ہی اچھا ہو۔ آپ اس واردات کی تفصیل لکھیں کہ کیسے اس کوئے یار میں رسائی ہوئی۔ اور پران سے۔۔۔۔۔

ہو سکے۔ اپنا مکالمہ بھی بھجوا دیں۔ آپ نے یقیناً وہ شخص دریافت کیا ہوگا۔ شخصیت کے ان پہلوؤں رازوں کو فاش کیا ہوگا۔ جو عام آنکھ سے اوجھل رہی ہیں۔

بچوں کو پیار

دعا گو

پروفیسر شمشیر

بنوں

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

21-9-1995

برادرم ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب

السلام علیکم!

خدا کرے معہ الخیر ہوں۔ آمین۔ مصباح الدین اس لحاظ سے بلکہ ہر لحاظ سے نایاب شخص ہیں۔

کالج میں کم ہی آتے ہیں۔ یا ملتے ہیں۔ میں نے باامر مجبوری آپکا پیغام سلسلہ کتب ان کے سالے کے ذریعے ان تک پہنچایا ہے۔ جواب ابتک نہیں ملا۔ اسلئے خط ارسال کرنے میں تاخیر بھی ہوئی۔ میں نے Declaration کیلئے درخواست متعلقہ DC کو دیدی ہے۔ برائے ''بن باس'' رسالہ جاری کرنے مگر اسکا بھی معلوم نہیں منظوری دیتے بھی ہیں؟

البتہ کل کے اخبار مشرق کے ذریعے آپ کی نئی کتاب کے بارے میں معلوم ہوا۔ آپ نے زندگی کے ہر لمحے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ بلکہ ہر پل کو امانت سمجھا اور یہ امانت آپ سماج کو لوٹا رہے ہیں۔ قیامت کے دن آپ سرخرو ہونگے۔ اور ہم شامت اعمال کے طفیل شرم سار کیونکہ روزِ قیامت سب سے پہلے یہ سوال پوچھا جائے گا ہر فرد و بشر سے، کہ جو صلاحیت ہر انسان کو ودیعت کی گئی تھی۔ اسے کیسے استعمال کیا اور اسے کہاں تک ترقی دی۔ ہاں ہم سب عدالت کے کٹہرے میں کھڑے سرنگوں ہونگے۔ خدا مغفرت کرے۔ سرسید

کے پاس تو جواب ہوگا کہ وہ ''مسدس'' لکھوا گئے مگر میں کیا جواب دونگا۔ صرف یہ کہ ظہور میرا دوست ہے۔ اقبال کو سلام پہنچے۔

دعا گو۔ بچوں کو پیار

فقط خیر اندیش

شمشیر بمعرفت مشتاق آٹوز سٹور

نیو بس اڈا

بنوں

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

24/12/1999

محترم اعوان صاحب۔ سلامت رہو۔

بقول مارک کیوئن۔ ''ہر انسان کے اندر ایک چڑیا گھر ہوتا ہے جس میں شیر بھی ہاتھی بھی انتہائی ڈرپوک چڑیا بھی اور بہت مکار لومڑی بھی ہوتی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ہم درندوں، چرندوں اور پرندوں کے اس اجتماع کو چڑیا گھر۔ اور ان تمام اوصاف کے مالک کو انسان کہتے ہیں۔

سید احمد صدیقی کہتے ہیں۔ اس دنیا فانی میں کھلاڑیوں اور کھلونوں کی کمی نہیں۔ شاعر الفاظ سے مصور کاغذ سے، سنگ تراش پتھر سے، مداری کٹ پتلیوں سے، لیڈر قوم سے، یونیورسٹیاں بے کار تعلیم یافتہ نوجوانوں سے، بے کار نوجوان انقلاب سے اور انقلاب زندہ باد سے۔۔۔۔۔۔۔ میں کہوں! ڈاکٹر ظہور اعوان اپنی ''بلاوجہ'' اداسی سے، ڈاکٹر مریض سے، وکیل موکل سے، عدالت فیصلوں سے، صحافی قارئین سے، شمشیر سامعین سے، یہ تماشا گاہ ہے جو برپا ہے

ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

ان آنسوؤں، آہوں قہقہوں کی اصلیت ایک ہی ہے۔ روتے ہو یا ہنستے ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تبسم ایک بڑی دولت ہے میں بھی اسکا قائل ہوں
مگر یہ آنسوؤں کا ایک شیریں نام ہے ساقی
جو امیدیں جگاتی ہیں۔ تو مایوسی سلاتی ہے
نہ اپنی صبح ہے ساقی نہ اپنی شام ہے ساقی
یہ کس کی ہیبت ثبت ہے گیتی کے سینے پر
کہ ہر زرہ ازل سے لرزاں با اندام ہے ساقی

آپ کی مرضی، خواہ پیسوں سے دل بہلاوے یا قصوں سے یا فیصلوں سے، آہوں سے یا قہقہوں سے، سب کا مقصد ایک مساوی، ایک سب کی حقیقت ایک۔۔۔۔۔۔۔روتے ہو یا جلتے ہو، یونہی زندگی گزرتی جاتی رہے گی۔

اے شمع ہوتی ہے صبح ۔ روتی ہے کس لئے
تھوڑی سے رہ گئی ہے ۔ اسے بھی گزار دو

ویسے بھی ذور و زر کی عملداری ہے۔

آپکا ماتم کار
شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

26-7-99

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم۔

آپ کا خط ملا۔ گویا مجھے اپنے خط کی رسید۔ مجھے نئی زندگی ملی۔ زندگی کی کشمکش میں مبتلا، دوستوں کی یادوں سے زندہ ہوں۔ 13 جولائی آپکا کالم میں نہ پڑھ سکا۔ البتہ امجد خان نے پڑھا۔ اُن دنوں میں شیر پاؤ ہسپتال پرائیوٹ وارڈ کمرہ 187 میں زیر علاج تھا۔ ہاں پروفیسر عطاء اللہ خان کا کالم 16 جولائی کو پڑھ کر معلوم ہوا۔ کہ باچا صاحب اس جہاں فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ جوانی کا وہ جوش اور اضطراب رخصت ہو چکا ہے۔ پہلے حال دل پر ہنسی آتی تھی۔ اب رونا آتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی رام کہانی چھوڑ دی ہے۔ پہلے ترانہ درد سننے کو مل جاتا۔ تو داد دینے کو جی چاہتا۔ اب تو ترانہ درد سننے کی تاب نہیں رہی۔ پہلے دوستوں کی غلطیاں/زیادتیاں غصہ دلواتی تھیں۔ اب یہ چیزیں پس منظر میں چلی گئی ہیں۔ صرف اپنی کوتاہیاں ستانے لگی ہیں۔

ویسے بھی جب کوئی مرحوم ہو جائے وہ خدا کی رحمت میں جگہ پالیتا ہے۔ تو اس کی ساری خامیاں خوبیاں ہی نظر آنے لگتی ہیں۔ پھر پسند اپنی اپنی۔

میرا بھی آپ جیسا وطیرہ ہے۔ جب کوئی زبردست ہو۔ تو مقابلے کیلئے دل تیار رہتا تھا۔ مگر جب زیر دست ہو جاتا ہو تو ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔

باچا صاحب کے ساتھ اب سوچتا ہوں۔ میں نے کچھ زیادہ ہی ردِعمل دِکھایا۔
بعض موقعوں پر ایک دفعہ میرا تبادلہ او پل صاحب نے بنوں کرایا۔ مجھے یہ تبادلہ شاق گزرا۔
چنانچہ جناب علی خان صاحب کے ذریعے وزیر تعلیم سے اسے منسوخ کروایا۔ باچا صاحب
نے اسے اپنا ذاتی تو نہیں سمجھا جس کا انہوں نے مجھ سے ذکر بھی کیا۔ دوسری بار میرے
ماموں زاد بھائی پروفیسر شمس الحق نے مجھے کہا۔ کہ ان کا تبادلہ باہمی پروفیسر جہانگیر کے
ساتھ ہوا ہے۔ جبکہ اسمیں ان کی رضامندی شامل نہیں تھی۔ اور یہ سب کچھ متعلقہ پرنسپل کی
غلط بیانی کا نتیجہ ہے۔ باچا صاحب ڈیرہ آئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا۔ میں نے روائیداد
سنائی۔ انہوں نے اپنے ہوائی سفر کا ٹکٹ منسوخ کروایا۔ اور خود بائی روڈ روانہ ہوئے۔ بنوں
کالج پہنچ کر شمس الحق مکر گئے اور کہا۔ کہ اس نے شمشیر کو اسکے بارے میں کچھ کہا ہی نہیں۔ اس
بار باچا صاحب نے انتہائی ناراض ہو کر مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ جب امجد پبلک سروس کمشن
میں گئے۔ اسوقت باچا صاحب کمشن کے چیئر مین تھے۔ میں نے سمجھا یہ یقیناً باچا صاحب
امجد کے ساتھ درست پیش نہیں آئینگے۔ مگر انہوں نے عظمت کا ثبوت دیتے ہوئے۔ امجد کو
اپنا حق دلوادیا اور اسے منتخب کیا۔ جبکہ زون 4 میں صرف ایک ہی آسامی تھی۔

نظر نظر کا فرق ہے۔ امید ہے میری بے بسی کو آپ نظر انداز کر دیں گے۔

بچوں کو دعا و پیار

پروفیسر شمشیر

ناصر کلینک بالمقابل

بنوں بورڈ، بنوں

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

18/7/97

جناب ظہور صاحب خدا زندہ و سلامت رکھے آپکو ضعیف انگلیوں سے چند سطور لکھ ڈالی ہیں۔ بیٹھ کر تو کبھی لیٹ کر۔ بہر حال بدقتِ تمام اپنے تاثرات باچا اور آپکے بارے میں قلم بند کر دیئے ہیں۔ چاہتا ہوں آپ اسے شائع کروائیں۔ زندگی ہو تو ملاقات بھی ہو جائیگی۔

دعا گو

شمشیر

بنوں

خط بنام ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

4/1/1999

اعوان صاحب زندہ سلامت رہو۔

میں اپنی زندگی آپکو ہبہ کرر ہا ہوں۔ خدا منظور کرے اور آپ قبول۔ آج آپکا کالم کالوخان والا کالم پڑھا۔ درد دل میں اضافہ ہوا۔ پُر درد تو تھا ہی دُکھی بھی ہوا۔ برخوردار اسعد خان متعلم دہم یونیورسٹی پبلک سکول پشاور سے کہا تھا کہ جوڑا اونٹ کے رنگ کا بنوں وولن ملز کا ساختہ آپکو پہنچا دے۔ جس دن اسے پشاور جانا تھا۔ میں ڈیرہ گیا۔ معلوم نہیں اس نے کپڑے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسکی والدہ میکے گئی ہوئی ہے۔ ثواب کمانے کیلئے۔ جو میں ان سے پوچھوں۔ ویسے اسعد پشاور میں ہے۔ رابطہ رکھ سکتے ہو۔ تو بہتر۔ اگر وہ عید پر آئے تو پوچھوں گا۔ اس کا میرے ساتھ بالکل رابطہ نہیں ہے۔ اگر کپڑے پہنچائے ہوں۔ تو خط لکھیں ہاں خوب یاد دلایا۔ آجکل بنوں پر تحقیق کرر ہا ہوں بلکہ مکمل کر چکا ہوں۔ زندگی رہی تو مواد آپکو مطالعے کے لئے بھجوادونگا۔

کتاب مفروضہ کا نام میں نے ''بَن باس'' تجویز کیا ہے۔ کتاب تحقیق ترجمہ تخلیق کا نتیجہ ہے۔ ایک امانت تھی۔ جس کو توفیق انسانی کی حد تک نبھانے کی کوشش کی ہے۔

آپکی ہر تحریر۔ تحریرِ تام ہوتی ہے۔ چاہتا ہوں سامنے کالم پر کچھ لکھوں۔ مگر دوسرے دن دوسرا کالم پڑھنے کو ملتا ہے۔ تو خوب تر پھر پہلے کو چھوڑ کر نئے پر نئے انداز سے سوچتا ہوں۔ یہ معاملہ تکرار پیش آتا ہے۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا، جہاں آپ کا کالم پڑھنے کو

نہ ملے۔لہذا مجھے نہ فراغت ملتی ہے اور نہ فرصت۔اب چاہتا ہوں ''بن باس'' سے فارغ ہو جاؤں تو جو آپ کے بارے میرے پاس منتشر تحریریں موجود ہیں انہیں یکجا کر کے فکر پریشان کے طور پر آپکے پاس بھیج دوں۔شرط زندگی کی ہے۔ایسا نہ ہو، وہ مجھے راستے میں چھوڑ کر روٹھ جائے۔

دعا گو

فقط شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

میری جان عزیز اعوان

السلام علیکم!

ے نہیں آتی تو یاد انکی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

مگر میرا معاملہ کچھ اور ہے۔ خدا گواہ ہے۔ آپکی محبت گواہ ہے۔ کہ ایک لمحہ بھی آپکی یاد دل سے نہیں نکلی مگر نیم کشتہ۔ نیم جان۔ جنگل میں بن باس کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تنہائی ایک عذاب ہے۔ مگر احساس تنہائی عذاب دیگر ہے۔ شائستگی اور شستگی یہاں نہیں۔ جہالت ہی جہالت ہے۔ یہاں کے پڑھے لکھے لوگ بھی جاہل ہیں۔ میں نے سوچا تھا۔ ملازمت سے فراغت پانے کے بعد اپنا ذہن وزبان کے حوالے سے سیاست کے دھارے میں شامل ہو کر قوم کی خدمت کرسکوں گا۔ مگر بقول شاعر

ے زور وزر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسے پہ آشنائی کی

اعوان صاحب۔ کہنے کو بہت کچھ ہے۔ جانتا ہوں کہ آپ خود بھی دکھی ہیں۔ پر آپ ذہنی طور پر خود کو مصروف رکھکر دکھ کا مداوا کر رہے ہیں۔ مجھے تو یہ ماحول بھی میسر نہیں ذہن پر جہالت کے اثرات بری طرح سایہ فگن تھے۔ گویا ذہن ماؤف ہوا چاہتا ہے۔ کئی بار کوشش کی۔ پر نہ ہوسکا۔ ذہن خالی ہے۔ اسے کسی مضراب کی ضرورت ہے پردے خاموش

اور بے سکونی میں سکون زدہ بلکہ زنگ زدہ ہو رہے ہیں۔ اس لئے آپ کے بارے میں۔۔۔۔۔۔ کچھ نہ لکھ سکا۔ ہاں میرا خیال تھا۔ آپ پاکستان سے جا چکے ہو نگے۔ اس لئے آپ کو خط نہ لکھا۔ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ پیسہ بھی ایک قدر ہے جو مسائل حیات کے ناپنے کے لئے کارآمد معیار ہے۔

آج کل تھوڑا سا زیر بار رہنا پڑتا ہے۔ بچے پڑھ رہے ہیں جبکہ پنشن پہ جانے کے بعد بجٹ میں توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ امجد کو پبلک ہیلتھ میں فی الحال ملازمت مل گئی ہے۔ اب وہ سکون کے ساتھ CSS کی تیاری کر سکے گا۔ آفندی صاحب کے ساتھ میرانشاہ کالج میں ملاقات ہوئی تھی۔ استاد لوگ پہنچ کر ان سے ملے مجھے ایسا رویہ پسند نہیں۔ میں بھی ملا مگر دونوں طرف سے سرد مہری رہی۔ شاید وہ عمر بھر اساتذہ کے عام دھارے سے الگ رہے ہوں۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لئے نا آشنا سے تھے۔ ان کا بورڈ میرے گھر سے چند گز کے فاصلے پر ہے۔ جمعے کی نماز میں مسجد میں ہفتے میں ایک بار علیک سلیک ہوتی تھی مگر وہ مجھے نہیں جانتے کیونکہ شاید انہیں یہ خیال ہوا کہ یہ ایک پروفیسر ہے۔ اسے ہی سلام میں بروقت پہل کرنی چاہئے۔ پہلے یہ معاملہ چلتا رہا اب تو ایک دوسرے کے قریب خیریت سے گزرتے ہیں۔ مگر خیریت پوچھنے کی نوبت نہیں آتی۔

بقول غالب

ہم ہیں خود دار اور وہ بے زار

الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

باقی آئندہ

دعا گو

آپکا بھائی

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

28/8/97

برادرم ظہور صاحب

السلام علیکم!

آہ اور واہ کے سنگم پر کھڑا آپ کا تماشا کر رہا ہوں۔ گاہے گاہے میں ماضی میں بھی خود کا نظارہ کیا کرتا تھا ایسے مواقع پر جہاں آج آپ کو پاتا ہوں اور پھر وہاں جہاں مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہوتی تھی۔ اور جسکے نتیجے میں مجھے تکلیف پہنچ جاتی۔ تو اس سے لطف اندوز ہو جاتا تھا۔

بھائی جان یہاں یہ رواج آج ہی نہیں۔ یہ تاریخی جبر ہے۔ سچ کہنے پر زہر کا پیالہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور پینا بھی پڑتا ہے اور پینا چاہئے بھی۔

صداقت کے اظہار اور احیاء کیلئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔

میرا یقین ہے۔ دنیا کی کوئی قوت آپکو زیر نہیں کر سکتی۔ قرآن کے الفاظ میں باطل کا سر حق سے مارو۔ اور اسے نابود کر دو۔ یہ ہوگا یقیناً ہوگا۔ مگر حق کا تعین غور طلب ہے۔ کیا ایسا تو نہیں کہ حق کی تلاش میں باطل سرراہ ہو کر فریب دے کہ میں ہی حق ہوں۔

مجھے تو دونوں دور باطل کی آغوش میں پروردہ نظر آتے ہیں۔ ان سے خیر کی توقع

نہ تھی اور نہ اب ہے۔ خدا آپکا حامی و ناصر رہے۔

البتہ رشید باچا کے بارے میں آپ خاموش ہیں۔ بصورت دیگر مجھے وہ خاکہ واپس بھجوادیں بشرطیکہ آپ اسے شائع نہ کرنا چاہتے ہوں۔

آپکا

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

26/2/2002

برادرم ڈاکٹر ظہور صاحب

تسلیمات۔

پروفیسر ارشد کیطرف سے مجھے -/340 کا منی آرڈر موصول ہوا۔ غالباً آپکو بھی مل منی آرڈر بھجوایا ہوگا یہاں پرسوں کے اخبار میں آپکی مکاتیب رنگین نظر سے گزری۔ غصہ اور ہنسی اور رحمہ مبہ کے جذبات سے دوچار ہوا۔ شاید ایک بار پھر آپ فریب میں آگئے ہیں۔ لگتا ہے۔ آپکو اپنے رشتہ دار (میانوالی) نے ۔۔۔۔۔ دیا۔ سنا ہے۔ مومن جہد اعتبار کا خوگر ہوتا ہے۔ پاکستان میں کوئی ادارہ ثابت سالم نہیں۔ مگر آپکی کہانی کچھ اور رنگ دکھاتی ہے۔ گویا دال میں کچھ کالا ہے خدا کرے۔ میرا اندیشہ درست ثابت نہ ہو۔ تاکہ آپ اور پشیمانی سے دوچار نہ ہو جائیں۔

جب آپ بنوں چھوڑ چکے۔ تو امجد کی والدہ نے بہت افسوس کے ساتھ بتایا۔ کہ وہ کچھ تحفہ دینا چاہتی تھی والدہ صاحبہ کیلئے۔ اور خود صاحبہ کیلئے۔ بہر حال اب جب ڈاکٹر فواد پشاور آئے۔ تو ساتھ لے آئے گا۔

میں نے فہیم وٹ کے ذریعہ اپنے رشحاتِ قلم برائے اشاعت روزنامہ آج کو بھجوادیے۔ شاید شائع ہوں ہاں۔ وہ تو بھول ہی گیا۔ سب بڑے۔ چھوٹے گویا ہم سب

آپکے حق میں دست بادعا۔ بہم بارضا اورلب کشا ہیں۔ خدا آپ کو اپنے بچوں، بچیوں کی خوشیاں کامرانیاں عطا کرے۔آمین۔

دعا گو

فقط شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

4/1/2000

برادرم ڈاکٹر ظہور صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط ملا۔ آپ جب غصہ کرتے ہیں۔ تو حسن و خوبی اور ذہن نکھر آتا ہے۔ کسی نے خوب کہا۔ کہ جب محبوبہ بیمار پڑ جائے۔ تو حسین لگے۔ شمشیر کہتا ہے۔ غصہ کی حالت میں اسکا حسن دیدنی ہوتا ہے۔

میری جان۔ میرے خط کا متن یہ تھا کہ دوست کی توصیف کرنے میں توازن قائم رکھا کریں۔ یوں بھی ہوتا ہے" کہ رندادی گاہے گاہے صورت بیگانگی" کی تمہید بن جایا کرتی ہے۔ آپ نے اب وہ کمی پوری کردی ہے۔

اور سمندر کی انتہا گہرائی کا حوالہ دے کر بڑا اچھا تاثر قائم کر دیا ہے۔

بھائی جان مجھے پرسوں مایوسی چھائی نظر آتی ہے۔ جانتا ہوں۔ مایوسی کفر اور منفی سوچ ہے۔ پر حالات جو آج صورت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سوچتا ہوں۔ کیا لوگ! اگر یہ آخری کرن بھی مایوسیوں کے تھپیڑوں میں تحلیل ہو کر بجھ گئی تو کیا ہوگا۔ خدا نہ کرے ایسا ہو جائے امین ثم امین۔۔۔۔۔۔

کل نذیر صاحب چیئرمین بورڈ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی اس نئی تخلیق اور تصنیف کا ذکر ہوا۔ وہ بڑے زندہ دل لگے۔ آپ نے جو خط انہیں لکھا۔ وہ پڑھنے کو ملا۔ آپ نے ان سے گلہ کیا ہے۔ جبکہ بقول وہ آپکو دو عدد کتب فراہم کرنے کیلئے لکھ دیا گیا

ہے۔

بہر حال آدمی برا نہیں نکلا۔

حیرت کی بات ہے۔ وہ مجھے پہلے سے جانتا تھا آدمی بھی کچھ شنا سا سا لگا۔ شاید آپ نے میرا تعارف کرایا ہو۔

ہاں آپ کی دو عدد کتب پرنسپل بنوں کالج کو پہنچا دی ہیں ادائیگی میں کچھ وقت لگے گا۔ وہ فنڈز کی کمی بلکہ کم یابی کا رونا رونے لگ گئے۔ بہر حال یہ میری ذمہ داری ہے۔ نہ ہوا۔ تو پھر بھی یہ رقم میرے ذمہ ہوگی۔ عید کے بعد آئندہ کیلئے بھی پروگرام بناؤں گا۔ اور متعدد کالجوں سے عندیہ حاصل کرلوں گا۔ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔

البتہ آپ اگر مناسب سمجھیں تو ڈاکٹر رؤف ڈائریکٹر کالجز کے پاس میری کتاب کے بارے میں نوٹیفکیشن رکا ہوا ہے۔ کیونکہ اکثر پرنسپل صاحبان اس کا تقاضا پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے 4 عدد کتب سیکرٹری تعلیم کے حوالے کیں۔ انہوں نے ڈائریکٹر کالج کو کیس بھجوا دیا ہے۔ ڈائریکٹر کالجز کسی پروفیسر سے ریویو حاصل کر کے نوٹیفیکیشن جاری کردیں گے۔ مگر سنا ہے۔ ڈاکٹر رؤف نے شکایت کی ہے۔ کہ میں نے تو صرف بنوں کے باب میں بنوں بورڈ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ کہ بورڈ کے ارباب نے جو زمین بنوں ٹاؤن شپ میں خریدی تھی وہ بنوں بورڈ نے واپس کردی ہے۔ تاکہ مستقبل میں جامع ہائی سکول کو واگزار کر کے بورڈ وہاں منتقل نہ ہو سکے۔ یہ ایک جائز مطالبہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یونہی بات نامناسب لگی ہے۔ نوٹیفکیشن نہ بھی جاری ہو۔ تو اس کے لئے بنوں کے عوام ضرور کوشش کریں گے۔ کہ بورڈ بنوں ٹاؤن شپ پہ منتقل ہو اور جامع ہائی سکول سے اسکا قبضہ ختم کیا جا سکے۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

19/12/93

برادرم ڈاکٹر ظہور صاحب

السلام علیکم!

خط میں تاخیر ہوئی۔ وجہ خود آنا تھا مگر بہانہ عناں گیری مل گیا۔ وہی جسکا ذکر خیر نہ کرنا باعث خیر و برکت ہے۔ ضمیر میرا۔ برکت آپکی۔ کیونکہ میں خود اس کا خوگر ہو چکا ہوں۔ جبکہ دوست و اقارب بیزار فی الحال گرتی صحت جو مانند دیوار کج ہے۔ اس شدت موسم کا متحمل نہیں۔ شاید آپکو چند اور دن انتظار کرنا پڑے اسلئیے ہی خط لکھنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔

طبقہ اناث سے شاید آپکو پہلی بار سابقہ/واسطہ پڑا ہے۔ اور پھر جس خاتون پرنسپل کا ذکر آپ نے کیا ہے وہ تو خود الجھی ہوئی زنجیر ہے۔ ایک تو زنِ مجرد ہے پھر شعبہ بھی۔

سنا ہے پروفیسر قربان ڈیرہ وال کی سالی لگتی ہے۔ میری ایک بار ملاقات ہوئی۔ بچی کے داخلے کے سلسلے میں۔ پھر ماننا نہ ہوا۔ یہ نہ چاہا۔ بہر حال میری تجویز ہے۔ کہ فیڈرل ڈائریکٹر کو لکھا جائے۔ تو اچھا رہے گا۔ کرنل ہدایت اللہ سکندری غالباً ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ بنوں کالج میں لیکچرر تھے۔ ان سے شناسائی بھی ہے۔ آپ انہیں لکھ دیں۔ ایک نسخہ بھی مجھوا دیں۔ میرا ذکر بھی کریں۔ میں تو انہیں خط لکھ رہا ہوں۔ یہ سارے کالجز کو اس بارے میں لکھ دے گا۔ اور اسطرح ایک قانونی راستہ ہموار ہو گا۔

مذکورہ شخص بڑا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ دوست پرور اور علم پرور بھی ہیں۔ وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔

پتہ یہ ہے۔

Col. Hidayatullah Sikandari, Dy. Director

FGEI C/G I G7 S.E Branch

Westridge-I, Rawalpindi. Ph: 861469

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

12/1/94

برادرم ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

السلام علیکم!

خدا کرے بخیر ہوں۔ 11/1 بوقت ایک بجے آپ کے یہاں سیکرٹیریٹ امجد کی معیت میں آیا۔ مکان خالی بلکہ بالکل خالی پایا۔ عجب سماں بلکہ بے سامانی کا سماں دیکھا ویراں پایا۔ کتابوں کا شلف مع کتب تک غائب پایا۔

مجھ پر پہلی بار یہ حقیقت کھل گئی کہ مکان کی خوبصورتی اور دلکشی مکین سے وابستہ ہوتی ہے۔ اچھا ہوا شانی آیا اور آتے ہی کہہ دیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب یہاں سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور سائنس سپیریر کالج تشریف فرما ہوئے ہیں۔ ڈیرہ کا سوھن حلوہ بھی اسی استعجاب میں بھول گیا۔ اور ساتھ لے آیا۔ چاہیے تھا۔ کہ وہ شانی کی نذر کرتا۔ آپکا حوالہ دے کر۔ مگر وہ بھی نہ کرسکا۔ بہر حال آپ نے جانا ہی تھا۔ مگر اس بے خبری نے مجھے پریشان کر دیا۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاں عرض کروں میرا ایک دوست ونسسم کالج ڈیرہ میں پرنسل ہیں۔ اکرم صاحب۔ بڑے اچھے انسان ہیں۔ ادب اور ادیب پرور۔ آپ کی کتب کے بارے مین ان سے ذکر کر چکا ہوں۔ آپ اپنی ساری دستیاب کتب میں سے دو دو نسخے انہیں بھجوائیں۔ بذریعہ VP۔ یہ اسطرح۔ وہ ان کتب کی قیمت ادا کر دیں گے۔ اپنی کالج Library کے

لئے خرید لیں گے۔ بنوں کالج کے پرنسپل قبول صاحب کے نام بھی ۰۰۰۰ کاپیاں بجھوادیں۔
ان سے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ باقی خاص بات نہیں حسینوں کا وعدہ ایفا ہونے کیلئے نہیں۔ وعدہ
صرف دعویٰ کی حد تک نبھانا پڑتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں حسین ثابت نہ ہوسکوں۔

دعا گو۔

آپکا بھائی شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

1/2 پشاور

برادرم اعوان صاحب

السلام علیکم!

ان آنسوؤں کا کیا بنا۔ جو گم کردہ منزل ہو کر مژہ پر نہ آ سکے۔ دریار پر آیا دیدار یار سے محروم رہا۔

جذب و گریز میں گرفتار سامان زیست نہ کر سکا کشش باہمی اور خوف احتساب نے اجزاء وجود کو نشتر کرنا چاہا پر جی رہا۔ فرات کے کنارے پر آکر بھی تشنہ کامی کا مداوا نہ کر سکا۔

پشاور آکر بھی ظہور سے ملنے کا یارانہ ہوا بطور سند و تبریک عجلت میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ ہو سکے تو ذیل کے کالجوں کو اپنی تخلیقات بھجوا دیجئے بار گناہ میری گردن پر 1. ڈیرہ کے ہر دو کالج 2. لکی کالج 3. غزنی خیل کالج 4. ٹانک، کلاچی، کرک

کام نہ چلا تو پھر دورے ہی دورے، ہاں پھر دورے چلیں گے۔ بہر حال میں پر امید ہوں البتہ بنوں کالج کے لائبریرین کو آپکی ارسال کردہ کتب نہیں ملی ہیں۔ اس سلسلے میں برائے ثبوت پرنسپل قبول صاحب کو خط لکھ دیجئے گا۔ یہ ضروری ہے۔ اکرام خان صاحب صاحبِ ذوق ہیں۔ وہ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔

دعا گو۔

آپکا اپنا شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

10/2/94

برادرم اعوان صاحب

السلام علیکم!

آپ کے خط نے مزید دکھی کر دیا ہے۔ جیسے ایک خط پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ درد دل، درد جگر کا سنا تھا۔ اب پتہ چلا درد دندان بھی ماسوا ہے۔ عرصہ سے اس کرب میں مبتلا رہا۔

علاج کے بعد افاقہ ہوتا۔ پھر درد کا دور ہوتا ہے۔ اب ہفتہ عشرہ یہ صورت حال ہے کہ جب درد شروع ہو۔ تو سر کے اندر جیسے درد کی لہریں اٹھی ہیں۔ لمحہ بہ لمحہ کرب اور شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک صورت فراغت کی یوں ہی ہے۔ کہ تازہ پانی کا گھونٹ منہ میں لیتا ہوں۔ تو دس سکینڈ کے لئے درد سے افاقہ رہتا ہے۔ پھر تازہ پانی منہ میں لینا پڑتا ہے۔ پھر اچانک درد غائب ہو جاتا ہے۔ مگر وقفے کے بعد وہی صورت حال عود کر آ جاتی ہے۔ جانے یہ نئی مصیبت کس انا کی سزا ہے۔

ڈاکٹر عاجز آ چکا ہے۔ وہ ہمت نہیں کر پاتا میں کہتا ہوں اسے نکال دیں۔ مگر وہ میرے دل ناتواں سے واقف ہے۔ اسلئے وہ ہچکچاتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ نشہ میرے لئے جان لیوا ہوگا۔ جبکہ نشہ دیئے بغیر دانت کا نکلوانا ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر دل کو صدمہ پہنچ جانے کا خدشہ۔ جسکا وہ متحمل نہیں۔

پاکستان میرے نزدیک ایک ایسا جزیرہ ہے جسے Lotus Eaters نے اپنے لئے دریافت کیا۔ جو یہاں سرمایہ دار، صنعتکار پاکستان کو عیش گاہ کے طور پر غریبوں کے استحصال کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

سمجھا کہ ایم کیو ایم میں متوسط لوگ ہیں۔ اور قیادت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ مگر اسے یہ تو سازش کا شکار بنا دیا گیا۔ یا اسے خود بدہضمی ہوگئی ہے۔ جمعیت میں الو بستے ہیں۔ جماعت منافقت سے متشکل ہے۔ ایک پر سرمایہ کار۔ ایک پر جاگیردار جبکہ دوسرے پر صنعتکار قابض ہیں۔ آپ ذہین آدمی ہیں ایسا ہونا چاہیئے تھا'' اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی'' جمال الدین افغانی کا بھی یہی قصور تھا۔ افلاطون، ارسطو اور سقراط جبکہ منصور اور پھر بھٹو کا سب کا یہی قصور کہ وہ ذہین تھے۔ اپنی ذہانت ان کے لئے طوق گلو ثابت ہوئی۔ بچوں پر توجہ صرف کرو ورنہ بہت جلد انجام کو پہنچ جاؤ گے۔ مجھے میرے لئے میری بیماری وجہ راحت بنی ہے۔ ورنہ میری طبع بے قرار بہت جلد وجہ رحلت بن جاتی۔

سچ کیلئے ملتا ہے یہاں زہر کا پیالہ
جینا ھے تو پھر جراتِ اظہار نہ کرنا

اسی کو موت کہتے ہیں۔ جب کوئی انسان ذوق خراش سے محروم ہو جائے دعا کریں افاقہ ہو کہ میں آپ سے ملنے کا روادار ہو سکوں۔

دعاگو

آپکا بھائی
شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

23/06/94

بھائی اعوان صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط عرصہ دراز سے نہیں آیا۔ نہ ملا ہے صرف خط ہذا جس کا جواب حاضر ہے۔ ہاں ایک عرصہ ہوا مجھے لاہور لایا گیا ذوق دید کے طفیل ڈاکٹر اقبال مرحوم کی زیارت کے لئے جامع مسجد بھی جانا پڑا۔ میری عجب کیفیت بن گئی۔ مجھ پر اس پاس کا ماحول محیط ہونے لگا میں بیچ میں پس کر رہ گیا اور پگھلتا گیا۔ میرا جسم گرتا گیا میں نے سکڑ کر یوں محسوس کیا گویا چیونٹی کی قد وقامت رہ گئی ہے۔ چاروں طرف عظیم دیواریں کوہ ہمالیہ بن گئی ہیں۔ میرا سر چکرا گیا۔ جو دوست حضرات تھے میں نے اپنی بدحواسی ان کو بتائی اور استدعا کی کہ مجھے بہت جلد اس عمارت سے نکال دو ورنہ میری حیثیت اور شخصیت فنا کی حد تک سمٹ کر رہ جائے گی۔ اعوان صاحب، مکرر قسم دے کر کہوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ جب بھی آپ کو خود سے جدا کر کے آپ کا مشاہدہ کرتا ہوں تو میرا قلم رک جاتا ہے۔ شاید یہ محبت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ تنقید حسن مصلحت عشق کے نزدیک گناہ ہے۔ کسی نے Keats سے پوچھا محبت کی تشریح کیا ہے۔ جواب ملا۔

کششِ Some thing which can be experienced, not explained.

بے پناہ نے اعوان کو شمشیر بنا دیا۔ گویا بقول حضو ﷺ تم مجھ سے ہو میں تجھ سے۔ گویا اس زنگہ زنگی نے ہم آہنگی کے باعث یک رنگی اختیار کر گئی ہے۔ میں خود کی تشریح کیسے کر سکتا۔ یہاں تو خامی بھی مجھے خوبی لگتی ہے۔ کانٹا بھی پھول لگتا ہے۔ بے گانہ وشی بیگانہ پن بن جاتی ہے۔ ہاں نفرتوں کے طفیل آپ سے دوری اختیار کرنے کی سعی کرتا ہوں۔

کیوں کہ بقول شاعر!

اس انتہائے قرب نے دھندلا دیا تجھے
کچھ دور ہو کر دیکھ سکوں تیرا بانک پن

مکرر کہوں آپ جب مجھ پر کلی طور نمایاں گویا ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ یہ کہوں آپکا مکمل طور پر ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے۔ تو بات کچھ بن جاتی۔ اپنے صواب دید اور صلاحیت کے مطابق اپنا نقطہ خیال ظاہر کرتا۔ مگر جب سے میرے مینار دل پر مکمل طور پر ظہور فرما ہوئے ہیں۔ تو خود کو اس ہمالیہ کے مقابلے میں چیونٹی پاتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ نہ ذہن۔۔۔۔۔۔ نہ زبان۔۔۔۔۔۔ نہ قلم۔۔۔۔۔۔ نہ کلام ساتھ دیتا ہے۔ یہ میری بدقسمتی ہے۔ کہ آپ مجھ پر عیاں ہوئے۔ دیگر میں آپکا کلام تصانیف خیالات لاہوتی سے آگاہ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ احتجا/احتجاجاً اور التجاجاً کہہ رہا ہوں کہ اعوان صاحب رمیں مجبور ہوں۔ خدا کی قسم مجبور ہوں البتہ جب سے آزاد کر دیا ہے۔ کچھ الزام بھی دیا۔ ابھی شاید سنبھل کر آپ کو محدود کر کے آپ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں لیکن وہ آپکی قدر و منزلت میں اضافہ کی بجائے میرے باب میں ناسپاسی اور حق ناشناسی ہوگی ہاں۔ آپ کا دوسرا الزام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بھی میری مجبوری تھی۔ کیونکہ ان بڑھوں نے مجھے سہارے کے طور پر استعمال کرنا چاہا ہے اور مجھے اپنا ترجمان بنا دیا ہے۔ یہ بھی دوسروں کے غم کے بدلے میں خود کو استعارے کے طور پر پیش کیا ہے۔

مزید میں نے انجمن مردان حق تشکیل دی ہے کچھ اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ مجھے بڑا حوصلہ ملا ہے۔ مٹی بڑی زرخیز ہے۔ مگر نم کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں ناامید نہیں ہوں۔

امجد کی تقرری پشاور Designing Office ہوئی ہے۔ سیکرٹریٹ کے سامنے بلڈنگ ہے۔ موقع ملے تو ضرور ملئے گا۔ اور اسے CSS کے لئے آمادہ کریں۔ بچوں کیلئے بہت ساری دعائیں۔

دعا گو۔

شمشیر

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

شاہ برات خان مسعود

ٹانک

10-11-70

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم شمشیر علی خان صاحب۔

السلام علیکم!

مزاج گرامی خوش وخرم چاہتا ہوں۔

عالم بے خودی ہے وحشت ہے
پھر انہیں دیکھنے کی حسرت ہے
تو خود جانتا ہے تمنا دل کو
نہیں قصہ غم سنانے کے قابل
میکدہ میں وہ بے نقاب ہوئی
عقل جس بات کو سمجھ نہ سکی
ذوق نظارہ پا رہے ہیں ابھی
غم دیپک جلا رہے ہیں ابھی

العرض دوست گرامی۔ آج اللہ تعالیٰ کے بے انتہا مہربانیوں کے سبب ختم القرآن تراویح سے ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان رب العلمین کے قدرت میں ایسا بے بس ہے جیسے ایک بال آدمی کی انگلیوں میں جس طرف موڑنا چاہئے۔

دوست گرامی۔ دل از خود رویا جاتا ہے۔ ایسا میٹھا رونا جسکی مثال اہل دل ہی سمجھ جاتے ہیں۔

عشق ہے پیار ہے۔ محبت بے مثال ہے۔ چاہتا ہوں کہ خوب چیخ چیخ کر سر سامنے میز پر مارو۔ لیکن دوست سو رہے ہیں۔ آرزو دل پورا نہیں کرسکتا۔ اندر ہی اندر دیپک جلا رہا ہوں۔ شمع کی طرح خاموش آنسو دل بہا رہا ہے۔

کائنات کے جس طرف دل کی نگاہ متوجہ ہوتی ہے۔ ایک بے مثال محبت پھیلی ہوئی ہے۔ جسمیں خود از بے خود ہو جاتا ہے۔

میرے محسن میر لئے وحشت بے خودی گڑ گڑا کر التجا کیجئے کہ یہ صاحب اٹھ جائے۔ اور یہ زخم اور بھی گہرا ہو جائے۔ میں نے نگاہ ادھر ادھر دوڑائی آج کا وقت کسی سے بیان کروں۔ بس آپکی مخمور آنکھیں اور ڈوبتا ہوا دل سامنے آیا۔ بجلی بجلی سے ٹکرائی اور اسکی برق کو الفاظ کا جامہ پہنچا رہا ہوں خط میں اشعار میرے نہیں ہیں۔ ہاں میرے مضطرب دل کے آئینے پر ابھرتے آرزو کے سائے ضرور ہیں۔

اچھا بھائی شمشیر آپ نہ روئیں۔ ہاں ضرور یہ خیال رکھیں کہ خط آپکی ذات میں رہے۔ دوستوں کو اسکا ذکر نہ کرنا۔ ایک زخم تھا۔ جو تجھے دیا۔ اسکی حفاظت کیجئے۔

فقط آپکا ناشکور بھیا

والسلام

شاہ برات مسعود

خط بنام ڈاکٹر ذہین صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

27/3/88

ذہین صاحب

السلام علیکم!

حال بد کا پوچھنا بھی وجہ تسلی ہوتا ہے۔شکریہ ادا کرتا ہوں شکایت ہائے رنگین نوازش ہائے بیمار کا فطری ردعمل ہوا کرتا ہے۔

مانا۔ کہ تقویٰ ہو۔ یا تکیہ واماندگی شوق کی پناہیں ہیں۔اور توفیق انسانی کے ناپنے کے پیمانے بھی۔

2) مصلحت اصلاح احوال کا ذریعہ نہیں۔تو بھی ایک دنیا زمانہ سازی کو ستیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

o خون دل ہو۔ یا خون آرزو۔ پر آنسوؤں میں کچھ شے بہتی نظر آرہی ہے۔جس کی تشریح و توضیح شاید اعوان صاحب ہی کر سکے۔

o میاں ہدایت اللہ صاحب میرے چند بلکہ کھوکئی خطوط کے بارے مقروض ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں۔ کہ ہمارے کسی case یعنی Demotion اور Recovery کا کیا فیصلہ ہوا۔ یہ گومگو کی حالت تو جان لیوا ہے۔کوئی فوری فیصلہ درکار ہے۔

والسلام

راقم۔شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

2/3/88

محترمی جناب اعوان صاحب

السلام علیکم!

آپکا خط ملا۔ پڑھا سمجھا کہ آپ پر میرے چند سطور گراں گزرے ہیں۔ آپ خود ہی کہتے ہیں۔ کہ میں نے صحیح تناظر میں آپکا خط نہیں سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر نا سمجھی میں ارتکاب جرم بھی قابل معافی بن جاتا ہے۔ یہ کس کافر کو انکار ہوگا کہ تیری دنیا کے بارے میں سوچنا گناہ ہے۔

قرآن کے الفاظ میں من ینفع الناس فیمکم o ط

مفہوم۔ جب کوئی فلاح انسانی کے بارے میں کوشاں ہوں اسکو اسی دنیا میں سکون اور سکونیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا۔ کہ خود کے بارے میں بھی راھبانہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے حقیقت پسندی کا تقاضا ہے۔ بقول ن م راشد

ے جہاں غریب کو نانِ جوئیں نہیں ملتی
واں حکیم کے درس خودی کا کیا کہیے

گھر کو دیکھ کر ہی صحرا اور دشت کا خیال آتا ہے۔ گھر بھر بچے پڑوس۔ محلہ، قریہ، گاؤں، شہر تحصیل ضلع، صوبہ ملک، ممالک، یہ سب اہم اکائیاں ہیں۔ اور ایک دوسرے کو

سمجھنے کیلئے سیڑھیاں۔ جوار قرب کا بھاٹا ہوتا ہے۔ مستقبل حال کا پرتو۔ اور حال ماضی کی پیداوار۔

نشیب و فراز کی سیڑھی عُسر یُسر مہیز، اعوان صاحب۔ حقوق کی بازیابی کیلئے کوشاں رہنا سعادت بھی ہے اور عبادت بھی۔ صبح زندگی اس سے عبارت ہے۔ اور پھر دوسرے کے حقوق بازیابی کیلئے کوشاں رہنا عظمت کی دلیل ہے۔ مگر اسکے لئے بھی پیکر خاکی میں جان پیدا کرنا لازمی امر ہے۔

ہو صداقت کیلئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرے

اعوان صاحب۔ چھوٹی چھوٹی باتیں اہم واقعات کو جنم دیتی ہیں ان سے بھی سروکار رہتا ہے۔ یہ دنیا آئینہ خانہ ہے۔ احتیاط سے قدم رکھنا پڑتا ہے۔ معمولی غلطی یا تغافل سنگین نتائج پر منتج ہو جاتا ہے۔ دوست کا دوست پر حق ہوتا ہے۔ کہ اسے معمولی سی لہر کے بارے میں تنبیہ کیا جائے تاکہ بحر حیات کیلئے بحر غم کا تمہید نہ بن جائے۔

ہاں دل تو چاہتا ہے بہت لکھوں مگر آپ کے اوقات قیمتی اور میرے تلخ۔ خدا کرے آپ فارغ اور مجھے صحت ملے۔ پھر خوب بنے گی جو مل بیٹھے دیوانے دو۔ آہا اہا آہا۔

اعوان صاحب ہنسو خوب ہنسو۔ غم کو بھی ہنسی پر گزارو ہاں آپکے آخری جملے نے مجھے خوش کر دیا۔ وہی فینانس والی بات۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

آپکا مخلص
شمشیر

خط بنام ذہین صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

25/04/88

میرے دوست ذہین احمد صاحب کو میرا اسلام پہنچے۔آپ کا خط بعنوان ''تشکر'' پڑھا گیا۔درس عنوان تماشہ ہوں دوست ناراض۔دشمن خوش۔دوست اس لئے ناراض کہ آخر یہ زندگی اور ملازمت کے اس موڑ پر جب خود زندگی دو بھر ہے۔کیوں اس جھمیلے میں پڑا۔دشمن اس لئے خوش کہ مجھے سزا ہوئی محبت بانٹنے کا قضیہ کا قصہ میری سمجھ سے بالا تر۔سیاق وسباق کے حوالے سے شاید سمجھ بیٹھوں شاید روئے سخن میرے عذر ہو کوئی تو طعنہ پر ذہین صاحب کے حوالے سے تمغہ ہدایت محبت نامہ۔بنوں کالج ہذا میں میٹنگ ہوئی ''آئینہ ایام'' میں ایک جملہ معترضہ کا جواب مقصود تھا۔جس مین ہماری موجودہ قیادت کو حدفِ تنقید بنا کر بے جا اور بے وجہ الزام تراشی کی گئی تھی۔جناب مصباح صاحب اس آگ میں اب تک جل رہے ہیں جو کہ آپ کے آنسوؤں نے لگائی تھی۔

حیرت ہے کہ ہمارے پرنسپل صاحب کی طرف سے نوازش ہائے بے جا حاصل ہے اور کوئی پیریڈ تک نہیں لے رہا۔بہر حال یہ کام اسی کو سا جے۔

کالج کے شب وروز بد سے بدتر ہوتے رہے ہر روز روز عید ہر رات شب برات بنتی رہی۔کالج پر طلباء میں گروہ بندیاں اور اساتذہ میں باہمی انتشار عروج کو پہنچ چکا ہے۔

بہبود و فنڈ کو بھی ٹور فنڈ میں منتقل کیا گیا اور اسطرح غریب اور قابل طلباء کا حق چند طلباء کی عیاشیوں میں خرچ ہوتا رہا Tour پہ Tour اور پھر بعض طلباء خرافات پر اتر آئے

○ بعض طلباء کو خوش رکھنے کیلیے بس کو جلال آباد لیجانے کی اجازت دی گئی۔ یہ بھی اس عہد نامہ کی خلاف ورزی تھی۔ لوکل انتظامیہ نے اس کا نوٹس لیا۔ اچھا ہوا ہماری بس پشاور ہی میں خراب ہوگئی۔ طلباء نے پرائیوٹ گاڑی لے لی اور یہی گاڑی جلال آباد میں دھما کے کی نظر ہوگئی۔ اس کا ڈرائیور ہلاک ہوا۔ ہمارے طلباء اور بس بچ گئے یہ خدا کا فضل تھا۔

○ ملازمت اور زندگی کی آخری منزل پر پہنچ کر ہر انسان "خدا رسیدہ" بن جاتا ہے۔ مزید جناب ڈائریکٹر صاحب کی نفسی شرافت نے بھی حوصلہ دیا۔

میں نے ضروری سمجھا۔ کہ صورت حال سے اسے آگاہ کر دوں مگر تاریخ خود کو دھراتی ہے۔ جرات اظہار کی سزا زہر کا پیالہ ہوتا ہے۔

اب تو مجھے اس ملازمت سے دست کش ہونا چاہیئے تا کہ دوست ناراض ہوں۔ اور دشمن خوش۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبال

والسلام

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

20/1/2002

جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

آپکا خط ملا مگر دکھ کے ساتھ۔ آجکل میٹھی باتوں کے سہارے جی رہا ہوں۔ جو مجھے اپنے بچوں بیوی اور آپ سے مل رہی ہے۔ جب آپ کیطرف سے خط باشکلِ شکستِ آرزو بن جائے تو زخمی دل کو صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے زندگی بھر دل کے اشارے پر صاد کیا۔ وہ نغمہ بننے کی بجائے۔ اپنی شکست کی آواز ہے اچھا کیا ضمیر کو مطمئن کیا۔ مقصد حیات پالیا۔ مگر اب جب چند دن رہتے ہیں۔ تو بال بچوں کا بھی ساتھ دیں۔ اور انکا کہا مانا کریں۔ پھر دیکھیں دنیا کی ناہمواریاں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میری دعا ہے۔ آپکی ہر مشکل آسان ہو۔ آمین

دعا گو

شمشیر

خط بنام زوجہ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

21/1/2002

بھابی کے نام تسلیمات

ایک واقعہ بیان کروں شاید دل میں اتر جائے۔ برادرم اعوان صاحب کے اپریشن کے باب میں ہوا۔ میری ایک بیٹی حسینہ مرحومہ بچپن بعمر ڈیڑھ سال میں لقمہ اجل ہوگئی۔ وہ بڑی پیاری، چہیتی، ذہین اور خوبصورت بچی تھی۔ اس سے میری از حد محبت تھی۔ کیونکہ اس کا ناک نقشہ میرے والد مرحوم جیسا تھا۔ وہ حد درجہ ذہین تھی اور غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی 9/10 ماہ میں چلنا پھرنا سیکھا اور جب ایک سال کی ہوئی تو مکمل جملوں کے ساتھ باتیں کرسکتی تھی مگر اسے ایک عارضہ پیدائش ہی سے لاحق تھا۔ اس کے Buttock لفی ران سے ذرا اوپر کولھوں پر تھوڑا سا اُبھرا ہوا گوشت تھا جسے اس کی والدہ کسی پیر وفقیر کی نشانی سمجھنے لگی تھی ہم نے کوئی دھیان نہیں دیا وہ غیر معمولی طور پر قد آور بھی تھی اور شاہ زور بھی۔ وہ بظاہر 5 سال کی لگ رہی تھی۔ اسے کسی حد تک گنتی بھی آتی تھی۔ 10-5-2,1 تک نوٹ کی پہچان بھی رکھ سکتی تھی۔ گاہے گاہے وہ میرے ساتھ سکوٹر پر کالج بھی جایا کرتی تھی۔ اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے باعث جبکہ پرنسپل اوپل صاحب مرحوم سے بہت کچھ کمایا مگر جب وہ ڈیڑھ سال کو پہنچی تو اچانک وہ ابھرا ہوا گوشت ایک بڑے دانے یعنی زخم میں تبدیل ہوا۔

تشخیص کرائی گئی تو کینسر بتایا گیا۔ بعد میں آپریشن کرایا گیا۔ مگر جاں بر نہ

ہو سکی۔۔۔۔۔بعد میں۔ میں خود کو اپنی جہالت اور لاپرواہی کے باعث کوستا رہا۔ کبھی کبھار نوبت جنون تک پہنچتی تھی اور دیوار سے سر کو ٹکراتا اور روتا تھا۔ یہ سب کچھ میری لاپروائی سے ہوا۔ میری از حد محبت کی وجہ سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ اگر شروع میں علاج کرایا جاتا تو یہ صورت حال کبھی نہ ہوتی بلکہ جس طرح کانٹا چبھ جائے اور آسانی سے نکالا جائے اور بس۔

بہر حال میری حالت دگرگوں ہوگئی اور مجھے دل کا عارضہ لاحق ہوگیا میری اس طویل داستان گوئی کا مقصد یہ ہے کہ بھائی ڈاکٹر اعوان صاحب کے بارے میں ڈاکٹر صاحبان جو بھی رائے دیں۔ اس پر فوری عمل کر کے اس معمولی اپریشن کو مزید ملتوی نہ کریں۔ بچوں کو دعا پہنچے۔

دعا گو

آپکا بھائی شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

6/5/02

السلام علیکم!

پشاور میں تین دن رہنے کے باوجود متعلقہ ڈاکٹروں سے مل نہ سکا۔ لہٰذا بغیر چیک اپ کے واپس آنا پڑا۔ اترنے اور چڑھنے میں دشواری تھی۔ کیونکہ مسکن بالائی منزل پر تھا۔ آپ سے بھی ملاقات نہ ہوسکی ورنہ اس خشک سالی اور قحط سالی میں تھوڑی بہت زیست کو تراوت مل جاتی۔

ہاں یاد ہو۔ آپ نے بہت پہلے جب مجھے حادثہ پیش آیا تھا۔ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ پشاور سیکریٹریٹ میں پڑا ریکارڈ سے ان علماء کے نام حاصل کیئے جائیں گے جنہیں باقاعدہ "فتویٰ فروشی" کی اجرت ملی جایا کرتی تھی۔ یاد ہو کہ نہ یاد۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔

بیوی بچوں عدنان وغیرہ کو دعا سلام پہنچے۔

آپ کی مصروفیات بہت زیادہ ہوچکی ہیں ورنہ آپ ضرور کچھ وقت نکال کے ملاقات کیلئے نیو ڈاکٹر ہاسٹل میں تشریف لے آتے۔ ڈاکٹر فواد کا انتظار ہے۔ وہ مجھے پشاور لے آنے کیلئے یہاں بنوں آنے والے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اس بار ہاسٹل میں آنے اور پڑھنے سے پہلے آپ کے ہاں آؤنگا۔ ہاں آپ تک بھی رسائی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور

ہے۔ کیونکہ سیڑھیاں چڑھنا پڑیں گی بہر حال خدا آسان کر دے گا۔

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

21/2/2002

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

خط ملا جواب دینے میں تاخیر ہوئی۔ وجہ معذوری ہے آپکے خط نے مزید کمزور بنا دیا۔

ڈھائی دو لاکھ کے بے وجہ نقصان کا مجھے دکھ ہوا کیونکہ جب پہلے سے کوئی زار و ناتوانی کا شکار ہو۔ اسے مزید ستانا نہیں چاہیے۔ مگر کیا کیجئے۔ ظلم کی حکمرانی ہے۔ اور زیادتی کی فراوانی۔ میں تو چاہتا ہوں آپ اس سلسلے میں عدالت عالیہ سے رجوع کریں۔ یک مشت کٹوانا سراسر زیادتی ہے۔ اسے بے جرم پائمالی کہتے ہیں۔ اور چوروں کی سینہ زوری ہے۔

پچھلے دنوں پنڈی اسلام آباد کے سنگم پر بنوں کا ایک مہا چور دھر لیا گیا ہے۔ اس نے جعلی ڈی ایس پی کا روپ دھار لیا تھا۔ مجھے ہر لحاظ اور ہر لحہ یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ایسا مہا چور آزاد پھر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق چالیس چوروں کے گروہ سے بتایا جاتا ہے۔ کئی بار ان کے ہاں چوری کی کاریں برآمد ہوئی اور ہر بار وہ بچ نکلتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس وسائل اور زر وزور کی فراوانی ہے۔

میں اپنی کتاب ''بن باس'' میں ان کے بارے میں اظہار خیال کیا تھا۔ چاھو تو

خود مطالعہ کرو خاندان میرزی خیل کے بارے میں اور بڑا شاطر اور ماہر ہے۔ وہ اکثر و بیشتر آزاد امیدوار کی حیثیت سے مقابلہ کرتا رہا ہے۔ اور اکثر جیت بھی جاتا ہے کیونکہ سیاست ان کے ہاں نفع بخش تجارت ہوتی ہے۔ جس میں خوب رقم انوسٹ کر کے خوب کماتا رہا ہے۔

اب یہاں بنوں میں جو چوروں کا ٹولہ ہے وہ شور مچا رہا ہے۔ گویا شور مچا رہے ہیں۔ گویا چور مچائے شور والی بات ہے۔ میرا بس چلتا تو ان سب کو اندر کر لیتا۔ سنا ہے اس نے بالا بالا نیب کی کسی فرد سے ڈیل کر کے اپنے خلاف انکوائری کو روک لیا تھا۔ وہ فخریہ برملا کہتا ہے۔ ''میں نے انصاف کو اپنے حق میں خرید لیا ہے'' چنانچہ وہ احتساب کے شکنجہ سے بچ نکلا۔ بیرون ملک دبئی وغیرہ میں بھی ان کے ہوٹل اور کاروبار ہیں۔ بقول خود وہ قیمتی پتھروں کا بھی کاروبار کرتا رہا ہے۔ یہ ایک نقیب نہیں کتنے ایسے ہیں۔ جو قوم کے خزانے میں نقب لگا کر اسے لوٹ چکے ہیں۔ لوٹ رہے ہیں۔ اور لوٹیں گے مگر ہم اور ظہور اسی طرح لوٹتے رہیں گے۔

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

10/5/88

براد رم اعوان صاحب

السلام علیکم!

یاد آوری کا شدت سے انتظار تھا۔ جب انتظار بسیار ستانے لگا تو میں نے خود اس اذیت ناک خاموشی کو توڑنا چاہا۔ ماسٹر یونس کی وساطت سے آپکو خط کی وہ نقل مل جائے گی۔ جو میں نے باچا صاحب کو لکھا تھا۔ جس کے متوقع تاثرات مجھ تک پہنچ چکے ہیں۔

شعبہ آذری ہو یا شیوا جنوں ہر خوددار انسان ہر گاہ ہر گام پر ان سے برسر پیکار اور بے زار ہے۔ ان سے نکلنے کے لئے واحد راستہ اظہار حق ہے۔ جسکی مقرر سزا سزائے مکرر ہے۔ مصلحت اندیشی اور زمانہ سازی کے اس دور میں صاحبِ اظہارِ حقدار دِلدار کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔

صاحب افرینی سے تمنائے چیدن کا اظہار کرنا خود ایک جرم ہے۔ ارتکاب کرنے والا ''درس عنوان تماشا کے ستم'' ہوجاتا ہے اسی کا نام ابتلا ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

تنقید حسن مصلحت خاص عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں

خون آرزو احیائے صداقت کا باعث ہے۔

آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ میرا مرض الموت بے باکی اور نگاہ کی پاکی میں حائل نہ ہو۔تو بہتر ہے۔

مصباح وغیرہ ایسوسی ایشن کے حوالے سے انتقامی کاروائی کیلئے فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ بھی صاحب کی دوستی کا حق ادا کرنے کی قیمت ہے۔

آپ کا شمشیر

بمعرفت پر املٹری سٹور گولڈن مارکیٹ

بنوں سٹی بنوں۔

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

6/04/02

جناب ڈاکٹر اعوان صاحب

اسلام علیکم۔

آپکا ہر کالم اظہار حق کا شہکار رہا ہے۔لیکن آج تو اس نے میرے دل کی بات نوکِ قلم پر رکھ دی ہے۔

؎ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مجھے شروع سے یہ خدشہ رہا ہے کہ جنرل صاحب چند سالوں کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے آتے ہی یہ عندیا دے دیا تھا۔ کہ مجھے ترکی کا نظام حکومت پسند ہے۔یعنی فوج کا سیاست میں کردار!۔ضیاء مرحوم تو 25 سال کیلئے آئے تھے۔ جیسے ایک موقع پر کہا تھا۔ کہ اگر 5 بار اسطرح انتخابات ہوتے رہے۔تو پھر سیاست الودگی سے پاک ہو جائیگی۔ یہ تو قدرت کو منظور نہ تھا اور انہیں امریکہ کے طفیل فضا ہی میں تحلیل کر دیا اور قوم کو بڑی منافقت سے نجات دلائی۔مشرف صاحب ذہین اور مخلص سہی۔مگر جو نقوش وہ سیاست میں چھپوانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔اس کے دوررس نتائج برآمد ہونگے۔بھٹو شہید نے جیل میں پیغام دیا تھا۔ کہ موجودہ عسکری قیادت مجھے مارنا چاہتی ہے۔مگر قوم یاد رکھے کہ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہے گی۔یعنی جمہوریت کا خاتمہ ہو جائے گا ان کی سیاسی بصیرت دیکھ رہی تھی کہ قوم کے اندر شاید ہی کوئی Dynamic شخصیت پیدا

ہو۔ظہور صاحب فوجی آمر آسانی سے قیادت نہیں چھوڑتے یہ تاریخی اور زمینی حقیقت ہے۔
اور امریت ہی قوم کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ بلکہ باعث تباہی۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتہ پیری، ملائی و امیری

اقبالؒ

ظہور صاحب! اگر آج نہ ہوتا تو میرا تعلق کل سے ہوتا آج کے ذریعے زندہ ہوں
جسکے طفیل آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

گھر والوں بچوں بچیوں کو دعا پہنچے۔

خدا حافظ

دعا گو۔

پروفیسر شمشیر

خط بنام ڈاکٹرظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

مشفقی ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

غالبًا 17 اپریل کو آپکا کالم پڑھنے کو ملا۔ دکھوں بھرا خط تھا۔ بموجب ڈاکٹر صاحب یہ بھی ڈپریشن کا علاج ہے۔کہوں۔ڈپریشن آپ کو کب لاحق ہوا ہے۔عظیم لوگوں کا کوئی ڈپریشن نہیں ہوا۔ زندگی کی ناکامیاں ہی انہیں عظیم بنانے کا ذریعہ اور زینہ ہوا کرتی ہیں البتہ رویوں پر منحصر ہے۔آیئے آج میں بتائے دیتا ہوں۔وہ کیا ہے کہ کیسے محبت میں زندگی کی تکلیفوں اور ناکامیوں کو نبھایا جاتا ہے۔

میرے نزدیک تین طریقے ہیں۔

1) ذاتی۔ 2) قرآنی۔ 3) سیاسی

مجھے جب کوئی مسئلہ درپیش ہوا۔تو وہاں میں نے ''دوشمشیر'' پائے ایک مصلحت کوش دوسرا اصول پرست۔ میں نے ہمیشہ اصول پرست اور حق پرست شمشیر کا ساتھ دیا۔ یہاں قدم قدم پر کانٹوں کا ساتھ رہا۔ جب مصیبت اور ناشناسی کی انتہا ہو جاتی ۔ سارے راستے مسدود پاتا۔تو پہلا شمشیر دوسرے شمشیر کا مذاق اڑاتا۔اسے خوب کوستا۔دوسرا شمشیر ان طعنوں کو سنتا اور برداشت کرتا۔ضبط اور صبرو استقامت سے کام لیتا۔اسی مذاق ، اور ذوق

میں وقت گزر جاتا۔ اور ہم ایک دوسرے کی بے حسی اور بے بسی سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی بھی ڈپریشن کی نوبت نہ آتی۔

وہاں زندگی کی تعبیر اور تفسیر ملتی ہے۔ بیان ہے کہ ہر انسان صاحب خسران ہے یعنی ڈپریشن کا شکار مگر وہ لوگ کامیاب ہیں جو صاحب ایمان اور عمل ہیں۔ اظہار حق پر قائم ہیں۔ جس کی پاداش وہ صعوبت اور تکلیف ملتی ہے اور جسے برداشت کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ یعنی صبر و استقامت پر عمل پیرا ہیں۔ ڈپریشن نہیں۔ وہ ڈپریشن سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

3) سیاسی: تیسرا طبع/رویہ/راستہ یہ شعور کا راستہ ہے۔ وسائل کی تلاش ہے جب باچا خان/خان عبدالغفار خان کی تحریک سرخ پوش، حکومت وقت کی ایجنسیوں کی نظر اور نوٹس میں آئی۔ تو اس تحریک کو حرف مکرر کے طور مٹانے کے درپے ہوئی۔ نظریہ کی مخالف عبدالقیوم صاحب نے غفار خان کو مشورہ دیا کہ تم اپنی لگن اور مشن میں مخلص ہو اور حکومت وقت تمہیں تر نوالے کی طرح نگلنا چاہتی ہے۔ تم فوراً کسی بڑے سیاسی دھارے/ادارے کا حصہ بن جاؤ۔ ورنہ ختم ہو جاؤ گے۔ عبدالغفار خان نے پہلے مسلم لیگ سے رابطہ رکھا۔ مگر بات نہ بنی پھر کانگرس میں شامل ہوئے اور اس طرح اپنا وجود کو قائم رکھ سکا۔

میں کہوں۔ ہومن رائٹس کے کسی ادارے کا فرد بن جاؤں اور پھر اپنا مشن جاری رکھوں۔ قدرت جب بار بار آپ کو ناکامیوں سے دوچار کرتی ہے۔ تو شاید آپ سے کام لینا مقصود اور منظور ہوتا ہے۔ ورنہ جب کوئی خواہش پوری ہو تو انسان غفلت میں پڑ جاتا ہے۔ مقاصد آفرینی ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔ خط لکھنے میں غفلت ہوئی۔ تاخیر کی وجہ میری گراوٹ ہے۔ اس دن تقریباً نصف شب کمرے سے بیساکھی پر صحن اترنا چاہا۔ کیونکہ کمرے میں مچھروں اور گرمی نے اودھم مچا رکھی تھی۔ بیساکھی کا وزن نہ قائم رہ سکا اور میں

دھڑام سے زمین پر آگرااور اب بھی ایک پسلی میں درد محسوس کرتا ہوں۔ یہ تو اچھا ہوا ہڈی
ٹوٹنے سے رہی۔ بچوں اور بچیوں اور بیگم کو سلام

احقر

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

8-7-88

برادرم اعوان صاحب اسلام علیکم !۔۔۔۔

قہر درویش بر جان درویش! یہ ضرب المثل مجھ سے سیکھئے اور اس پر آپ عمل یا میں عمل بھی کرتا رہا ہوں آپ کے اوقات میں گاہے گاہے مخل ہو کر خوشی محسوس کرتا ہوں گویا آپ کی عسرت میرے لئے باعث شہرت ہو جائے۔ یہی ثواب ہے اور روح حیات۔ میری ٹوپی پرانی ہو چکی ہے!!!!!! اور آپ کی چپلیاں کیسی ہیں؟ خدا کرے وہ نئی ہو جائیں اور میری ٹوپی؟؟؟؟؟؟؟

بہرحال تنخواہ لے کر پیسہ بھجوا دو۔ کیونکہ اپریل سے تنخواہ نہیں لی ہے۔ محض میری سستی یا دوری مانع ہے۔ آپ نے میرے سابقہ خطوط کا جواب نہیں دیا ہے۔

ہاں زبیر صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کٹوتی کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو چکا ہے اگر ایسا ہی ہے تو اس بارے میں جو نوٹیفکیشن یا فیصلہ ہوا ہو۔ اس کی ایک کاپی مجھے بھجوا دینگے۔

دعا گو۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

30-5-88 برادرم اعوان صاحب

السلام علیکم!

آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر منظور ہے۔ میں پہلے ہی اس منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ صرف اعلان جولائی کا انتظار تھا تا کہ خدمت خلق کے لئے آزاد ہو جاؤں سیاست اپنی سعادت بلکہ عبادت سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس میں خلوص، بے باکی اور جرأت اظہار شامل ہو۔ مگر میں موجودہ ڈائریکٹر کی موجودگی میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تا کہ وہ خوش ہوں۔

میرے ہاتھ میں ترپ کا ایک پتا تھا۔ میں آخری وار کے طور پر آزمانا چاہتا تھا یہ اس لئے کہ حق مصلحت اندیشی کے بہانے دب کر باطل اور طالع آزما اور زیادہ خوش ہوں۔ آب تو حالات ہی بدل چکے ملک کی سالمیت کا سوال ہے۔ میرے مستقبل کے بہانے مرحلے / سپنے درھم برھم ہونے لگے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آئندہ انتخابات میں ضرور حصہ لوں گا۔ مجھے اپنی جان صحت کی بھی پروا نہیں۔ کیونکہ اس راہ سیاست / خدمت خلق میں موت شہادت بن جاتی ہے۔

ہاں آپ نے بار بار یہ معلوم کرنا چاہا کہ آخر ڈائیریکٹریٹ والے مجھ پر ناراض کیوں ہیں۔ وجہ سچ کہنے کی جرأت۔ جس کی سزا تاریخ عالم نے خود مکرر کر رکھی ہے۔ یعنی "زہر کا پیالہ"

جب کالج ہذا کے حالات کشیدہ تر ہوتے گئے اور کالج قحبہ خانہ بنتا جا رہا تھا۔ تو

غیرت ایمانی سے نہ رہا گیا اور موجودہ حالات ڈائیریکٹر کو تحریری طور پر لکھ ڈالے۔ تاکہ وہ خود آکر اصلاح احوال کرے۔ مگر ان میں سچ بات سننے کی توفیق نہ تھی اور مجھ پر ناراض ہوگئے۔ سیکرٹری تعلیمات کو بھی یہی روئیداد لکھی۔ مگر شاید وہ بھی روایتی ڈسپلن کے چکر میں رہ گئے ہیں کہ آخر ایک ماتحت/غلام کو یہ جرأت کیسے ہو کہ وہ براہ راست کچھ کہے یا لکھے۔ جبکہ شمشیر ایسے بندھنوں کی پروانہیں کرتا۔ وہ تو خدا سے بھی براہ راست مخاطب/دعا چاہتا ہے۔ بہرحال، سوچ اپنی اپنی۔

ماضی میں جب حالات خراب ہوئے تو آپ کے دوست شمشیر نے ارادہ تعاون اور اصلاح احوال کے طور پر بنوں کے سیاسی اکابرین اور عمائدین سے ایک اخلاقی معاہدہ کروایا۔ جس کے بہتر نتائج سامنے آچکے تھے۔ یہاں تک کہ چیف سیکرٹری وغیرہ نے بھی جناب پرنسپل صاحب کے حق میں توصیفی کلمات سب کالجوں کو لکھ ڈالے۔ مگر جناب پرنسپل صاحب نے اپنی سستی شہرت کے لئے اس عہدنامے کی دھجیاں بکھیر دیں اور طلبہ کے لئے دیدہ دانستہ مخرب اخلاق ماحول دینے کی سوچنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹور کے بہانے طلباء کو گندے ماحول میں دھکیل دیا۔ یہاں تک کہ ایک پروفیسر کی ہمراہی میں ہمارے طلباء بمع کالج بس کو ہیرامنڈی پہنچا دیا گیا۔ طلباء کی گرفتاری ہوئی صوبہ سرحد کی رسوائی اور مجھے ذہنی کوفت یہ حالات تھے۔ مجھ سے چپ نہ رہا گیا اور براہ راست ڈائریکٹر کو بتانا چاہا۔ جس کی سزا آپ دیکھ رہے ہیں اور جس پر مطمئن اور خوش ہوں۔

بچوں کو دعا

آپ کا شمشیر

پیرامیڈیکل سٹور/ملٹری سٹور

گولڑہ مارکیٹ، بنوں شہر، بنوں

خط بنام ڈاکٹرظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

30-12-92

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

کافی دنوں سے خلش رہی۔ آپ کو لکھوں۔ کیونکہ مشرق کے حوالے کے باب میں اظہار خیال کرنا مقصود تھا۔ آپ کے طولانی حکم نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے میرے نزدیک وہ اس قابل بھی نہیں کہ وہ آپ کے صریر خامہ کا جواب بنتا۔ بہرحال آپ نے فریاد کی ہے جس کی بے ذریعہ بالمشافہ!!!!!!!

ہاں۔ خیر جب آپ سے ملونگا تو بالمشافہ باتیں ہونگی۔ میرا کام متعلقہ کوریئر سے کرادیں۔

شکریہ

دعا گو شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

22-6-88

؎ کہاں تک ضبط بے تابی۔ کہاں تک پاس بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

آپ کے ہر دو خلوص بھرے خطوط ملے ہیں اور یہی میرے لئے سرمایہ حیات اور باعث زیست بھی ہیں۔ آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے ملازمت سے گلوخلاصی کا مشورہ شاید خدا کو کچھ اور منظور ہے۔ ورنہ کب کی یہ آرزو پوری ہوتی۔ اس بار پختہ ارادہ تھا مگر بساط سیاست ہی الٹ دی گئی۔ اور فی الحال عمل سیاست میں آنے اور پھر انتخابات میں عملی حصہ لینے کا منصوبہ صرف تمنا نظر آنے لگا ہے۔ مجھے تو آج کا سکون کل کا ہنگامہ نظر آ رہا ہے۔ آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے لب پر آ سکتا نہیں۔!!!!!!!

آپ نے اس خط کا ذکر کیا ہی نہیں۔ وہ آپ جدون صاحب کو کسی سے لکھوالینا چاہتے تھے۔ مزید اگر ہو سکے تو اس صاحب کو جس کے ساتھ آپ نے ٹیلی فون پر میرے بارے میں بات کی تھی اور جس نے بعد میں مجھے زبانی پیغام بھی بھجوا دیا تھا کہ میں NOC محکمہ سے لے کر بھجوا دوں۔ آپ بھی ٹیلی فون پر جدون صاحب کہہ دیں گے۔ کیونکہ میری درخواست آپ کو پہنچ چکی ہے۔

اور انہوں نے مجھ میں دلچسپی بھی ظاہر کر دی ہے۔ آپ شاید مجھ سے بعض امور چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ میں ذہنی کوفت کا شکار نہ ہوں۔ مجھے برابر آپ کی طرف

سے جو ہمدردی ظاہر ہو رہی ہے احساس ہے اور مجھے امید ہے آپ کو ضرور اللہ کی طرف سے اس کا صلہ بھی مل جائے گا۔ بھائی جان میں بحرانوں کی پیداوار اور پروردہ ہوں۔ میں نے یتیمی دیکھی غربت دیکھی۔ آزمائش وہ مصائب کا سیلاب۔ لہٰذا میں ان چیزوں کا خوگر ہو چکا ہوں۔ اس لئے مشکلات کا انبار اور یلغار آسان ہوئی ہے۔ انشاء اللہ پائے ثبات میں لغزش نہیں آئے گی۔ کچھ امور طے ہونا باقی ہیں۔ یعنی Move over قضیہ وغیرہ وغیرہ۔

انشاء اللہ ملازمت سے بہت جلد خود کو آزاد کرنا چاہونگا ذہین صاحب سے کہہ دیں کہ ہم نے آزمائش کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ جس کے صلے میں یہاں بہت سے دشمن پیدا کیئے۔ جو ہم سے انتقام لینے کے درپے ہیں۔ مصباح صاحب نے پروپیگنڈہ کرنے کی ایک مہم جاری کرر کھی تھی۔ دوہرے فائدے، صاحب بھی خوش اور جذبہ انتقام بھی پورا۔

بچوں کے لئے دعا۔

والسلام آپ کا شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

2-2-93

برادر عزیز اعوان صاحب

السلام علیکم!

بن ملے امجد سیدھا بخط مستقیم لکی جا چکا ہے اور پنشن پیپر کے بارے میں خط کسی کے ہاتھ بھجوا دیا ہے۔ آپ نے مہینوں کا کام گھنٹوں میں سرانجام دیا ہے۔ یہ آپ کی پرانی روش ہے۔ یہ شیوا عاشق ہے شان دلبری نہیں۔ بے بدل کا انجام دینے میں آپ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بے نیازی شاید مفہوم رکھتی ہے۔ ہاں Encashment کا کیا بنا کیونکہ Pension Case کے ساتھ بقول کسے اس کا تعلق نہیں یہ الگ معاملہ ہے۔ اس باب میں میں بالکل بے خبر انجان اور لاعلم ہوں۔ اس کا بھی معلوم کیجئے گا۔ کیونکہ ماہ رواں میں بیمہ والوں کے ساتھ موٹر کار کا معاملہ طے کرنا ہے شاید مجھے رقم کی فوری ضرورت پڑے۔ اگر انہوں نے موٹر کو رعایتی قیمت پر دینا چاہا تو میں لینا چاہونگا۔ ہاں کپڑا عمدہ ہے رنگ پسند ہے۔ آپ کا مخلص

شمشیر بمعرفت حاجی اختر علی

خان کلاتھ مرچنٹ بیرون لکی دروازہ،

نزد جامع مسجد حافظ جی

خط بنام حکیم جان صاحب

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

5-2-93

عزیز از جان میرے حکیم جان صاحب

السلام علیکم!

جذبہ ایمانی۔ اس کا اظہار۔ پھر اظہار کا بہترین وسیلہ اور اس وسیلے کو بروئے کار لانے کے لئے کامیاب کوشش کا ربیش مرحلہ دیرینہ سب قابل صد ستائش اور لائق تحسین ہیں۔ مجھے سکون چاہئے۔ جس کی مجھے شدت سے تلاش ہے اور جسے میں اپنے فہم وادراک کے مطابق اس انتشار اور یلغار کے بازار میں صرف اور صرف دعا الا اللہ میں پنہاں پاتا ہوں۔

چاہتا ہوں۔ باقی ماندہ زندگی اور پس ماندہ صلاحیتوں کو تبلیغ حق کی نذر کردوں۔

اس لئے میری معذرت قبول کیجئے گا۔ بہت ہو چکا اب بس۔

میں دست با دعا اور لب کشا ہوں کہ خداوند عزوجل شانہ مجھے تبلیغ حق کے اس کار عظیم کے لئے قبول فرمالیں۔

دعا کا طالب

فقط خیر اندیش

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

1-3-93

عزیز از جان برادر اعوان

اسلام علیکم!

پنشن کے کاغذات شاید چند دنوں میں مکمل ہوں۔ بیٹوں سے میں نے وصیت کے طور پر کہہ دیا ہے کہ اس رقم میں سے اعوان صاحب 1/2 2 (اڑھائی) لاکھ روپیہ امانت ہے۔ وہ انہیں پہنچا دینا ہے تا کہ وہ اپنا وعدہ ڈاکٹر ہدایت اللہ کے ساتھ نبھا سکے۔ ہاں میں صرف اتنا عرض کروں کہ مال (محکمہ مال) کے بارے میں میری معلومات کافی نہیں۔ آپ اپنے طور پر خوب تسلی کر کے اپنے ہاتھ سے تب جانے دیں تا کہ پھر ذہین والا معاملہ نہ بن جائے۔

زمین کے بارے میں یہ قبضہ بھی مصیبت ہے اس کا بھی پہلے سے بندوبست کرلیں۔ آپ اور میں دونوں فریب خوردہ۔۔۔۔۔۔ دوست۔ جلدی سے بن جاتے ہیں اور یہ اچھا بھی ہے۔ اسی میں زندگی کا لطف ہے۔ کوئی دھکا دے یا دھوکا، اس کے سہنے پر لطف ہے۔

اور حوصلہ آزمانے کا وقت۔ آج بھی میرا روزہ نہیں کل بھی نہ تھا۔ کیونکہ معدہ پر بوجھ ہے اور دل بھی ڈوب رہا ہے۔ معدہ کا علاج شروع کیا ہے۔ مگر فی الحال اضحلال میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سر میں بھی ہلکا سا درد۔ چاہتا ہوں کچھ توفیق بن جائے۔ پنڈی جا کر

اپنے ڈاکٹر ذوالفقار سے رجوع کروں۔ آپ بھی دعا کریں۔ بچوں کو پیار، آپ کو ایک بار پھر سلام۔

دعا گو

فقط شمشیر

(نوٹ)

بچوں سے موجودہ حالات میں نے چھپا رکھے ہیں۔ تاکہ وہ قبل از وقت پریشان نہ ہوں۔ ویسے فکر کی بات بھی نہیں۔ ایسا بارہا ہوا ہے جس کا میں عادی بن چکا ہوں۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

25-11-2002

ڈاکٹر اعوان بھائی سلامت باشد

السلام علیکم!

واہ اور آہ ساتھ چلتے ہیں۔ جو حالات سے عبارت ہوتے ہیں۔ جو اظہار کے قدرتی ذریعے ہیں۔ان پر کسی کا زور نہیں چلتا اگر فیض کہتے ہیں۔

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ خود وہ غدار پاکستان تھے۔ جو کوئی ادارہ یا فرد توقعات پر پورا نہ اتر سکے۔ یا پھر ایسی راہ پر گامزن ہو جائے۔ جس کے دیرپا اثرات مرتب رکھتے ہیں۔ تو آہ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

سلیری مرحوم کا جو کالم ہوتا۔ تو وہ ضروری "ادھر تم اُدھر ہم ہے" کا ورد کرتے۔ گویا بھٹو ان کے اعصاب پر سوار تھا۔ آپ میرے لئے ایک معیار ہیں۔ بہت اونچا، گویا مقام تقویٰ پر دیکھنے کا عادی تھا۔ آپ عرش نشیمن سے فرش نشیں ہو چکے ہیں۔ یہ مقام حسرت وآہ ہے (میرے لئے)

کہوں بے کس بے بس انسان ہیں معاف کر دیجئے گا۔ اگر خاص مجبوری نہ ہو۔ تو زمین پر رینگنے سے کیا فائدہ۔ یہ آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ کسی اور دنیا کے انسان ہیں ارفع واعلیٰ۔ تسلسل سے آپ ان کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ جیسے یہ آپ کا

مقدس فرض ہے۔

نصر اللہ سے بھی زیادہ وہ صاحب قوت لوگ موردِ الزام ہیں جو پاکستان کے لئے مستقل خطرہ ہیں۔ آپ نے خود کہا "لوٹا کریسی یا عصمت فروشی" آئین کی یہ شق کس نے کس لئے اور کیوں معطل کر رکھی ہے۔ جب دوسرا صاحب اس پر اعتراض کرے تو برا ہے۔ جبکہ آپ خود اسے عصمت فروشی سمجھتے ہیں۔ یہ کس کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔

الراقم

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

19-5-2003

برادرم ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب

اسلام علیکم!

خط مکرر حاضر ہے اگر آپ کو بوزر غفاری کے بارے میں معلومات حاصل ہوں کہ ان کا نظریہ حیات، نظریہ معاش و مال کیا تھا۔ جس کی پاداش میں انہیں شہر بدر کیا گیا۔ اور پھر کسمپرسی کی حالت میں فوت ہوئے۔

تو آپ ضرور ان پر ایک کالم لکھیں کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ اور ان میں اس حوالہ سے بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور کسی حد تک مجھے بھی آپ شامل کر سکتے ہیں۔ تاریخ نے مختلف مواقع پر اور ادوار میں ابوزر غفاری کو جنم دیا۔ یہ صرف سقراط پر ہی منحصر نہیں جس پر الزام تھا کہ وہ نوجوانوں کے اذہان کو آلودہ کر رہا تھا۔ اس لئے ذہر اس کا علاج ٹھہرا۔ آج "اقبال اور کوہاٹ" پڑھنے کو ملا۔ دل خوش ہوا۔

کیونکہ

ے سچ کہنے پر ملتا ہے یہاں زہر کا پیالا
جرت اظہار زبان چاہتی ہے

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

10-12-2002

معظم ڈاکٹر صاحب   تسلیمات !!!!

اسلام علیکم !

"جواب شکوہ"

آج بی بی سی نے میرا مذاق اڑایا۔ کہ میں 90 دن کے اندر اندر عام انتخابات کراؤں گا اور کہا کہ یہ محض طفل تسلیاں ہیں۔ آرمی والے دنوں کے لئے نہیں آتے۔ بلکہ سالوں کے حساب سے آتے ہیں۔ آسانی سے نہیں مشکل سے رخصت ہوتے ہیں۔ مگر میں بی بی سی والوں پر یہ ثابت کر دونگا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کر کے دوں گا۔ "اگر چہ جو مراعات یہاں حاصل ہیں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خواہش اظہار کے بغیر بھی پوری ہو جاتی ہے"

پھر دنیا نے دیکھا کہ 90 دن نو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے پر محیط ہوئے۔

یہ صرف ضیاء الحق پر ہی منحصر نہیں بلکہ ہر امر مطلق کی یہ رائے اور رویہ ہوتا ہے۔ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ آرمی کے آمر سویلین سے نفرت اور رعونت سے پیش آتے ہیں۔ ان کی محبت میں نفرت کا آمیزہ ہوتا ہے آج اگر ہم بیوروکریسی کو زمین بوس دیکھتے ہیں تو یہ اصلاح احوال کے لئے نہیں بلکہ نظری نفرت کا نتیجہ ہے جو آرمی والوں کا خاصہ ہے۔

آرمی والے سویلین کو شودر اور اچھوت سمجھتے ہیں۔ اعوان صاحب اس کا مجھے ذاتی تجربہ ہوا ہے۔ آپ کو بھی ہو جائے گا اور وقت کے ساتھ ساتھ آپ پہ مزید انکشافات ہونگے۔ پھر محو حیرت ہو کہ میری باتوں کو تسلیم کریں گے۔ اس وقت میری باتیں آپ پر گراں گزر رہی ہیں مگر آگے آگے جا کر دیکھئے کہ کیا کچھ نہیں ہوتا۔

آج یعنی 9/12 کو آپ کا کالم پڑھنے کو ملا دل خوش ہوا کہ کم از کم دیر سے سہی۔ مگر حقیقت حال آپ پر آہستہ آہستہ واضع ہو رہی ہے۔ جواب شکوہ کے طور پر نہیں۔ حقیقت حال یہی ہے کہ آپ نے ماضی کے کئی کالموں میں ذکر کیا ہے کہ اسلامی دنیا المیہ ہے۔ کہ ان پر آمر مسلط ہیں اور کہیں جمہوریت نہیں۔ یہ آپ پاکستان کے باب میں جمہوریت کے شاکی ہیں جسے آپ جعلی جمہوریت پکارتے ہیں اس کا باعث بھی یہی آمریت ہے۔ جو پاکستان پر شروع سے ہی مسلط رہی ہے۔ اگر کچھ عرصہ کے لئے جمہوریت آ بھی گئی وہ بھی عسکری سایہ کے نیچے رہ کر پنپ نہ سکی۔ مختصر وقت کے لئے بھٹو عظیم آئے مگر وہ بھی اسی کشمکش کی نذر ہوئے اور دنیا پر ثابت کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی آئین کو تحفظ دینا چاہے گا۔ اس کا حشر اور منزل تختہ دار ہی ہوگا۔ سزا توڑنے والے کو نہیں جوڑنے والے کو ملے گی۔ آپ نے مجھے منع کیا ہے کہ اس عنوان پر مجھ سے آئندہ بات نہ کی جائے۔ سر تسلیم خم ہے۔ دیکھئے سلسلہ جنبانی ختم کرتا ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے قلم بند ہو گیا۔ خدا حافظ

گویا زبان بندی

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

24-11-2011

برادرم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

خوبی اتفاق ہے جب بھی طبیعت بوجھل ہوتی ہے تو آپ ذریعہ راحت بن جاتے ہیں۔ آج بھی فتور ہاضمہ کے باعث سر میں درد اور رات بھر جاگنے کے باعث (کیونکہ والدہ ماجدہ جو کافی ضعیف اور عمر کہولت میں ہے۔ انہوں نے سونے نہ دیا۔ سمجھا کچھ ہونے والا ہے اب صبح ہسپتال جانے کی ٹھہری) طبیعت پریشان تھی مگر امجد خان نے "آج" کا پرچہ تھما دیا اور کہا ڈاکٹر سے ملاقات کرو۔ واقعی تکلیف میں راحت آئی گویا کم، حال بہ گفتنی نہ تھا۔ آپ نے یاد کر کے شاد و آباد کر دیا ہے وہ بھی اچھے الفاظ کے ساتھ۔ خدا کرے آپ کو جو حسن خیال میرے بارے میں ہے وہ مجھ میں پیدا ہوا۔

ہاں آپ کو معلوم ہے بنوں حالت زار میں ہے۔ یہاں قحط الرجال ہے ان پڑھ، ناخواندہ، اجرتی قاتل بنوں کی سیاست اور قیادت پر مامور ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا۔ مولانا لوگوں نے آ کر ان بدمعاشوں سے وقتی طور پر چھٹکارا دلایا ہے یہ بنوں کے بے بس عوام کا ردعمل ہے اور ان بدمعاشوں کے کرتوتوں اور شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔

اہل بنوں کی قسمت جاگ اٹھی ہے۔ آپ کا قلم تو ہمیشہ مظلوموں اور محکوموں کے حق میں استعمال اور وقف رہا ہے اس لئے آپ کو خوش ہو جانا چاہئے بنوں کے باب میں

ماضی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی روداد "بن باس" کے صفحہ 365 پر توجہ بنوں کے عنوان سے پڑھ لیجئے۔ ڈی آئی خان اس باب میں خوش نصیب ہے وہاں پڑھے لکھے لوگ سیاست کر رہے ہیں۔ کوہاٹ بھی اچھا ہے۔ مگر بنوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اب کچھ امید ہو چلی ہے۔

آپ ضرور اکرم خان درانی سے مل لیں۔ آپ کو ایک اچھا انسان ملے گا۔ مرنجاں مرنج۔ وہ میرے خاص گرویدہ ہیں۔ میرا خیال ہے کسی وقت میں آپ کو ان سے ملواؤں۔ مگر معذور ہوں، کیا کروں۔ یہ خلا آپ پر کر سکتے ہیں۔

انشاء اللہ آپ ان کو ایک بارآور، قد آور اور شفیق مخلص رفیق پائیں گے۔ کچلے ہوئے لوگوں کی دستگیری کرنا ثواب ہے۔ ثواب وہ ہے جس کا معاشرتی پہلو ہو، ورنہ صرف اور صرف نماز روزہ رکھنا کافی نہیں۔ آپ ضرور ان سے ملیں اور یہ میری درخواست ہے آپ سے امید ہے، آپ مایوس نہیں کریں گے۔

دعا گو۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

18-3-2003

عزیزی ڈاکٹر صاحب

اسلام علیکم!

ادھر آپ کے کالموں میں حِدّت اور جدت میں تیزی اور تندی بڑھ رہی ہے جبکہ ادھر کا یہ حال ہے۔

ے سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانہ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

ہاں چند سطور بغرض اشاعت خاص "آج" کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔ اس سے قبل بھی پوسٹ کے ذریعے بھجوا چکا ہوں۔ مگر اس میں تھوڑی سی قطع و برید کر کے دوبارہ بھجوا رہا ہوں۔ امید ہے آپ مایوس نہیں کرینگے۔

دعا گو۔

پروفیسر شمشیر

بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

الیف 19، آرمی فلیٹس نزد

قیوم سٹیڈیم پشاور صدر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

31-3-2007

برادرم جان صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط پا کر مجھے ایک نئی زندگی مل جاتی ہے۔ڈاکٹر فواد خان آج کل ملازمت چھوڑ کر اور رخصت لے کر خیبر ہسپتال میں زیر تربیت ہیں آپ کے قریب مگر چھٹیوں میں بھی فراغت نہیں۔گاہے گاہے فون پر بات ہو جاتی ہے۔

(د) کا لفظ کمپیوٹر نے اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ میں نے اسے درست جانا۔

(ب) کا لفظ "اپیل بنام بنویاں" میں لکھا ہے کہ سارے بنوں وال اپنے نام کے ساتھ بنوی لکھا کریں۔چنانچہ اس باب میں ہر طرف سے میری جواب طلبی ہوئی اور مجھے مجبوراً بنوی لکھنا پڑتا ہے۔ویسے بھی بنوں ایک غیر معروف جگہ ہے۔اس کی شناخت بھی کوہاٹ ہے لوگوں بنوں کو کم کم جانتے ہیں اور اگر بولا بھی جائے تو کوہاٹ بنوں ایک جگہ ایک علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔چاہا بنوں متعارف ہو۔میری کتاب "بن باس" بھی اسی خواہش کا حصہ ہے۔ پہچان کی حد تک اسے نام کے ساتھ جگہ اور مقام کا نام لکھنا برا نہیں ہوتا۔ دہلوی، لکھنوی، ہزاروی، امرتسروی، بڑے لوگ لکھتے ہیں۔ویسے آپ کی بات بھی درست مانتا ہوں۔محبت ہو تو تنقید ہو ہی جاتی ہے۔کیونکہ تنقید حسن بھی عشق کی خاص مصلحت ہے۔

بقول شاعر!

تقدیس حسن مصلحت خاص عشق ہے

یہ جرم گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں

آپ خط پر تاریخ لکھا کریں کیونکہ میں انہیں رکھتا ہوں اور پھر تاریخ کا حصہ بنتا ہوں۔ نذیر صاحب سے کم کم ملتا ہوں وہ صاحب غرور نہیں مگر صاحب سرور ضرور ہیں۔ وہ اپنے من میں گم رہتے ہیں۔ کسی اور سے غرض نہیں رکھتے۔ البتہ صاحب زور و زر کو ضرور باعث التفات سمجھتے ہونگے۔ سنا ہے کہ آپ نے اپنے ایک برخوردار کو امریکہ روانہ کیا ہے یا کر چکے ہیں۔

آپ نے پروفیسر نثار کا ذکر نہیں کیا۔ بچوں کے باب میں۔ بھابھی کو دعا سلام

فقط

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

2-4-2001

ڈاکٹر صاحب کی جے

السلام علیکم!

ویسے آپ کا ہر کالم لا جواب اور بے جواب ہوتا ہے مگر یکم اپریل 2001 کا بے مثال ہے۔ آپ نے مسلم لیگ کے تن مردہ کی جو پوسٹ مارٹم کی ہے۔ قابل داد اور قابل التفات ہے۔

ماضی میں نواب زادہ صاحب نے درست کہا تھا کہ مسلم لیگ، پس یہ موسم لیگ ہے اور اسے سیاسی پارٹی کہنا بھی سیاست کی توہین ہے۔ آپ کے کالم کی ایک ایک سطر تاریخ کا حصہ ہے میں نے اسے محفوظ کر لیا ہے۔ ہاں میں نے ایک خط میں پروفیسر نثار صاحب کے ساتھ اظہار ہمدردی کی تھی۔ اس کی رسید مجھے نہ مل سکی ہے۔ عزیزم عدنان اور دیگر برخورداران کے بارے میں گاہے ذکر کیا کریں۔ آج کل ایک بار پھر آپ شدت سے یاد آرہے ہیں۔ شاید وصل میں ہجر کا دھڑکا لگا ہے۔ یا پھر حقیقی معنوں میں ہم جدا ہونے والے ہیں۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ہاں بھول جائیں، تذکرہ ہجر اس سے فرار نہیں۔ ویسے بھی بعض دوست ایک مدت سے محو انتظار ہیں۔ دیکھئے کب ملتے ہیں۔

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

18-7-92

جناب ظہور صاحب خدا زندہ سلامت رکھے۔

آپ کو ضعیف انکھوں سے چند سطور لکھ ڈالی ہیں کبھی بیٹھ کر تو کبھی لیٹ کر۔
بہر حال بدقت تمام اپنے تصورات رشید باچا اور آپ کے بارے میں قلم بند کر دیئے ہیں۔
چاہتا ہوں آپ اسے شائع کرائیں۔ زندگی ہو تو ملاقات بھی ہو جائے گی۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

22-03-2001

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

پشاور ہی میں پروفیسر نثار صاحب پر لکھا ہوا کالم پڑھنے کو ملا۔ 21/03 کو میں پشاور میں تھا۔ دانتوں میں کچھ شکایات لے کر ہمارا برخوردار امجد آیا تھا۔ آپ سے ملنے کی آرزو تھی۔ امجد خان بھی چاہتے تھے کہ میں آپ سے ملوں۔ مگر انہیں پشاور ہی میں فون کیا گیا کہ فوراً آجاؤ۔ ڈیرہ میں سرکاری کام کے سلسلے میں جانا ضروری ہے۔ چنانچہ سرعت کے ساتھ مجھے بھی ساتھ واپس لے آئے ایسے گاڑی میں دوران سفر پروفیسر نثار صاحب کے بارے میں معلوم ہوا دکھ پہنچا۔ ایک ہی وقت میں دو حادثے بلکہ تین ۔۔۔ اچھا ہوا گاڑی میں رفیقہ حیات نہ تھی۔ شاید اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے۔ میری طرف سے اظہار ہمدردی پہنچا دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ بھی جا رہے ہیں جبکہ آپ کی ابھی ضرورت ہے بہر حال ہم سب جانے کے لئے آئے ہیں۔ مجھے آپ کے کالم پڑھنے کا چسکا پڑ چکا ہے۔ جسے نشہ کا عادی بن جائے تو۔۔۔۔۔۔

دعا گو

فقط شمشیر

ہاں ڈاکٹر سلمان SSP پشاور سے شاید آپ کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ سلیمان صاحب ہدایت اللہ خان اور کفایت اللہ خان کے بھتیجے ہیں۔ میں آپ کا ذکر خیران سے کروں گا۔

دعا گو

فقط شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

15-11-2000

برادرم عزیز جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

جس دن آپ سے فون پر باتیں ہوئیں اسی وقت اسی رات فون پر " آج" والوں سے رابطہ قائم کیا۔ یوسفی صاحب تو نہ تھے پر فیاض نامی شخص سے بالتفصیل باتیں ہوئیں۔ انہیں بتایا گیا کہ ظہور اعوان صاحب کا ایک ذہن بن چکا ہے۔ اور انہی کے طفیل " آج" کے سرکولیشن میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں! کیوں کئی دنوں سے وہ " آج" سے غائب رہے۔ اگر وہ دوسرے روز نامہ سے منسلک ہو گئے تو " آج" کو دھچکا لگے گا اور ہم جیسے قاریوں کو بھی مایوسی ہو گی کیونکہ " آج" کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کا پیغام عام ہو رہا ہے اور ایک دنیا ان کی ہم نوا اور ہم خیال بن گئی ہے۔ فیاض صاحب کو بتا دیا گیا کہ میرا یہ پیغام یوسفی صاحب کو پہنچا دے۔ اس بارے میں آپ کو پھر فون کرنا چاہا۔ کوششِ بسیار کی۔ بلکہ آپ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ میں نے آپ کو خط لکھوایا مگر اس کی بھی آپ نے رسید نہیں دی ہے۔ شاید خط آپ کو ملا ہی نہیں۔ ورنہ حسب روایت اسی دن اسی وقت رسید دے دیتے۔

بچوں کو پیار

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

11-12-2000

میرے مہربان ڈاکٹر اعوان صاحب خوش وخرم رہیئے

السلام علیکم!

بقول شاعر، شبِ ہجر سے مخاطب ہے۔ کہتا ہے میں تو سوئے عدم جا رہا ہوں۔ تم بھی اپنا ٹھکانہ ابھی سے تلاش کرو۔

10 سال جلاوطنی کے بعد یا ممکن ہے اس سے بھی قبل ان کی مراجعت ممکن بن جائے۔ امام خمینی ثانی بن کر میرا اندازہ خوش فہمی پر محمول نہ کیجئے گا۔

جانتا ہوں عسکری قیادت نے بامر مجبوری یہ اقدام کیا ہو مگر یہ اقدام رسوائی بسیار اور خودکشی کی تمہید ہو سکتی ہے۔ خود جرنیل کی جان اور وطن عزیز کے لئے

گویا دونوں جہاں خراب

؎ ستم ہو جائے تمہید کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتا دے ضبط غم ایسا بھی ہوتا ہے

بعض لوگ کہیں گے۔ نواز نے کمزوری دکھائی۔ شمشیر کہتا ہے وہ ہار کر بھی جیت گئے ہیں اور جرنیل صاحب کامیاب ہو کر بھی ناکام ہوئے۔ آپ کے احتساب کا کیا بنے گا۔ اسمبلی کی بحالی کا امکان پیدا ہوا ہے؟

جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان کی شکست پر بحث کے لئے جو کردار ادا کیا۔

آج ایک بار پھر۔۔۔۔۔۔میدان خالی پا کر اور ماحول موزوں دیکھ کر مفت میں با آسانی کرسیِ اقتدار حاصل کرنے کی سعی کرے گی۔ جو سراب کے طلب کے مصداق ہوگا۔

شاید۔۔۔۔۔خدا نہ کرے۔ علامہ مشرقی کا 1956ء کی پیشن گوئی سچ ثابت ہو۔ آمین

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

10-5-2000

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

"روزنامہ آج" کے حوالہ سے لکھا پڑھا۔ کہوں عدالت عالیہ کے تیور بتا رہے ہیں کہ سابقہ حکومت بحال ہونے کو ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ آئندہ سیٹ اپ کیا ہو اور کون کون سے افراد / ممبر پارلیمنٹ سے باہر کر دیئے جائیں گے۔ میاں اظہر یا عمران والی بات خلاف توقع بھی نہیں کیونکہ موجودہ عسکری قیادت پر ہر طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ اندرونی، بیرونی، سیاسی اور عدالتی گویا تعبیر بر آمد ہونے کو ہے۔ آپ سے کہوں قلم کو قابو میں رکھیں سیاست میں سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ سیاست میں گاہے گاہے 2 اور 2 پانچ بھی بن جاتے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ بولوں یا نہ بولوں ذاتی بات نہیں۔ حالات اور واقعات خود اپنا راستہ لے لیتے ہیں اور اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم چاہیں کچھ۔ ہو جاتا ہے کچھ۔ میرے دوست مجھے تو اس وقت جنرل صاحب پر ترس آتا ہے۔ وہ قابل رحم حالات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملکی حالت مزید قابل التفات ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ علامہ مشرقی کی 1956ء کی پیشن گوئی سچ ثابت ہونے والی ہے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔

یہ چند سطور بے ساختہ اور قلم برداشتہ لکھ رہا ہوں۔ جلدی میں ہوں۔ آٹا، دال،

مرچ، مصالحہ ختم ہو چکا ہے۔ ان کی تلاش میں نکلا ہوں۔ آپ تو ان چیزوں کے خوگر نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو مانوس ہو چکے ہونگے۔ عدنان وغیرہ کے لئے دعائیں۔ ہاں! عدنان کو میرا تحفہ مل چکا ہے؟ آپ نے خط میں ذکر نہیں کیا۔

دعا گو

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

13-4-2000

صبح کاذب 2 بجے

برادرم اعوان صاحب

السلام علیکم!

ڈیرہ سے واپسی پر آپ کا خط ملا بوقت 5 بجے۔ آپ کا خط بار بار پڑھا۔ گویا جی نے بار بار پڑھنا چاہا ایک خط اور لکھ چکا ہوں۔ شاید اب وہ بھی مل چکا ہوگا۔ ایوب اعوان سے ملا ان پر متعدد صدمے گزرے ہیں۔ جس کے لئے فاتحہ خوانی بھی کردی۔ بقول ارشد صاحب ان کے پاس کئی دنوں سے رقم پڑی تھی۔ مگر وہ کسی سبیل کے انتظار میں تھے۔ مجھے دینی چاہی پر میں نے انکار کردیا۔ بتایا اس صورت میں ظہور صاحب کا آپ لوگوں کے بارے میں تاثر ضائع ہوجائے گا۔ وہ سمجھے گا کہ رقم میں نے تم لوگوں سے زور یا زاری سے وصول کردی ہے۔ تاخیر کی وجہ کچھ تو سوگوار حالات ہوئے اور کچھ رسید وغیرہ پر دستخط نہ ہونے کی وجہ بتائی گئی۔ کیا یہ بھی کوئی بہانہ ہوا۔ ارشد سے کہا تم خود ہی ظہور صاحب کی طرف سے دستخط کرلیتے اور رقم منی آرڈر کرتے اور بس نہیں تو کسی کتب فروش سے کتاب / کتب کی رسید حاصل کرلیتے۔ بقول ارشد صاحب انہوں نے یہ آخری حربہ استعمال کیا ہے۔ رقم مل جائے تو مطلع فرمادیں۔ البتہ بنوں والے بے مروت اور بے حمیت نکلے۔ لائبریری سابقہ نصر اللہ جان ایڈیشنل سیکرٹری کا بھائی، دنیا جہاں کا۔۔۔۔۔۔۔

اگر کل تک رقم نہ بھجوادی گئی تو کتابیں واپس لونگا مگر ان پر زندگی تنگ ہوجائے گی۔ کیونکہ ماضی میں جس سے بھی کبیدہ خاطر ہوا۔اس کی زندگی اجیرن بنی۔ڈیرہ میں مجھے پروفیسر اکرام خان سے ملنا تھا۔کیونکہ وہ حج کرکے آئے تھے۔

مگر ساتھ ایک انسانی لاش تھی۔ یہ ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ماموں زاد بھائی۔ میڈیکل کالج پنڈی کا پرنسپل تھا۔ "ڈاکٹر کامران" واپسی کے دوران۔ دوران واپسی "دام واپسیں" ثابت ہوئی۔ حرکت قلب بند ہوئی اور جہاز میں خالق حقیقی سے جا ملے۔اور یہ صدمہ جان لیوا تھا۔اکرام خان میرے دوست نے غمگسار کردیا۔ان کا بوجھ ہلکا کرنے ڈیرہ جانا پڑا۔وہاں پر فاتحہ خوانی ہوئی۔انہوں نے داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ بہت خوبصورت لگے۔ باوقار، باشعار، مجھے یقین ہے کہ آپ کی تکلیف دفع اور رفع ہوچکی ہوگی۔

دعا بھی ہے۔ مدعا بھی اور اِدِعا بھی۔آپ کے بارے میں دعا طلب کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا دعا سنی گئی۔ چاہا۔روداد روحانی لکھوں مگر قلم بے قابو ہوچکا ہے۔خود بیدائے خیال میں گم ہوا ہوں۔ مجھے خود کا ادراک ہوجائے تو اپنے رشحات قلم مطالعہ کے لئے بھجوا دونگا۔ ہاں۔قرطبہ سکول کالج ڈیرہ کے پتہ پر محمد اکرام پرنسپل کو دو عدد کتب ضرور ارسال کردیں۔

دعا گو

آپ کا شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

27-3-2000

برادرم ڈاکٹر اعوان صاحب

السلام علیکم!

کامیاب اور نایاب رونمائی کتاب پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ وہی ہوا جس کا شکوہ آپ عمر بھر کرتے رہے ہیں۔ آج کے روزنامہ میں میرے علاوہ سب حضرات موجود پائے گئے۔

ہاں سیاست کے مداروں کا کرتب بھی دیکھ لیا۔ کس حسن خوبی سے فرحت اللہ بابر نے بینظیر کا دفاع کیا۔ یہ جتانے کے لئے کہ گویا اعوان صاحب بینظیر کی مخالفت ذاتی وجوہ کی بنا پر کرر ہے ہیں اور یہ کہ مستقبل میں آپ اس باب میں قلم کو ہولا رکھیں اور پھر سرگوشی میں بھی بات کر دینگے کہ موجودہ سیٹ اپ کی انہیں حمایت بھی اچھی نہیں۔ فرحت صاحب آپ کے دوست، کلاس فیلو سب کچھ سہی مگر میرے نزدیک وہ قابل پزیرائی کبھی بھی نہیں ہونگے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔خیر ان باتوں کو ماضی میں دفن کریں۔ ہاں! اب آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ عین ان دنوں ایک اور تکلیف بھی عارضہ لاحق ہوا مجھے اچانک Piles کی شکایت ہوئی یا شاید الرجی ہوئی تھی۔ جس سے سخت درد اور خارش ہوتی تھی۔ ڈاکٹر کے موجب Piles کی معمولی شکایت ہے اور الرجی سے سوزش اور خارش لاحق ہوتی تھی۔ دوائی سے ٹھیک ہو جائے گی۔ کچھ گولیاں اور مرہم برائے استعمال دے دیں بعد میں

پتہ چلا کہ گولیوں میں نشہ تھا جبکہ میں کسی بھی نشہ سے بڑا حساس ہوا ہوں۔ یہاں تک کہ Vilum-2 تک نہیں کھا سکتا۔ بہرحال خدا نے فضل کیا۔ تقریب بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی۔ ورنہ منہ خشک اور ہر لحظہ سر چکرا رہا تھا۔ منہ اس حد تک خشک ہوا تھا کہ مصنوعی دانت اکھڑنے بلکہ کبھی کبھار باہر گرا چاہتے تھے۔ یہ عجیب تماشہ ہو جاتا۔ اگر سارے دانت فرش پر آ کر گر جاتے تو پھر آپ کوئی بھی جواز سامعین کو پیش نہ کر سکتے۔ آہاہا۔۔۔۔۔

دعا گو۔

شمشیر

خط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

از

پروفیسر شمشیر

بنوں

24-4-2000

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم!

دعائے نیم شبی میں یاد کرتا رہتا ہوں۔ آپ نے تکرار کے ساتھ امریکہ جانے کے بارے میں لکھا ہے۔ مجھے آپ کی صحت کے بارے میں فکرمندی لاحق ہے۔ امریکہ کا سفر اگر خیر و برکت کی سبیل ہو تو خداوند پاک آپ کو وہاں لے جائے۔ مگر میں تو زندگی کی اس آخری منزل اور مرحلہ پر اپنے اور دوستوں کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ با مصطفیٰ تک رسائی کی سبیل پیدا ہو۔ آپ نے تابڑ توڑ خطوط کا شکوہ کیا۔ یہ بھی میرے لئے غنیمت ہے دوست کی طرف سے بے التفاتی اور خاموشی منظور نہیں۔ خاموشی توڑنے کے لئے باقی سب کچھ منظور ہے۔ شاید انجام وفا کا مرحلہ آن پہنچا ہے۔ اس لئے آپ شدت سے یاد آرہے ہیں۔ ہاں میں نے وہ باب بند کر دیا البتہ باب الفت کھلا چھوڑ دیا۔

جب بھی پکارو گے۔ مجھے حاضر پاؤ گے۔ میں گیا وقت نہیں کہ پھر آ نہ سکوں۔ فواد آپ کے پاس آئے گا۔ میری طرف سے عدنان کے لئے تحفہ اور بنوں کالج کی رقم ساتھ ہوگی۔ اچھا۔ اب اس باب کو بند کر دیا ہے۔ بالکل بند۔ ہمیشہ کے لئے بند۔

اس بار خط میں خنکی اور سبکی کا عنصر غالب رہا۔ آپ نے اس آیت کریمہ کا ذکر نہیں کیا جو میں نے رقم کی تھی۔ چاہئے کہ آپ اسے آزمائیں۔ بعض امور کا مشاہدہ عقل سے نہیں

عشق کے توکل سے ہوسکتا ہے۔ جیسے قطرے میں دریا اور ذرے میں صحرا نظر آتا ہے۔ یہ راز عشق پر عیاں ہے۔ جبکہ عقل سے پنہاں ہے، جس دن آپ کی کتاب کی رونمائی ہوئی اسی دن میرے مرض خفی کے کھوج میں مجھے صفت آموز اور تکلیف دہ اور اذیت ناک مرحلے سے گزرنا پڑتا تھا۔ تو بھی بصد دِقت شرکت کی۔

میں نے اپنے خیالات پریشان کو مجتمع کرنے کی حتیٰ المقدور کوشش کی مگر پھر بھی جو چاہا وہ نہ کر سکا۔ اب میں نے اسی امانت کو صیغۂ کاغذ پر منتقل کر دیا ہے۔ جس کا ذکر میں نے خط میں کر دیا تھا۔ مگر شاید پذیرائی نہ ملی۔ اس لئے آپ نے اس باب میں کچھ بھی ظاہر نہ کیا اس لئے مجھے ان خیالات کو مجبوراً یہاں تلف کرنا ہے۔

یاراں تیز گام نے منزل کو جالیا ہے۔ میرے پاس الوادع کہنے کا بھی وقت نہیں بچا ہے۔ اب تو خواب خیال میں بچھڑے ہوئے دوست مستولی ہو چکے ہیں وہ جو مجھے اپنے ہیں۔ اب مجھے بھی دلچسپی ہے جانے میں۔

دعا گو

پروفیسر شمشیر،
جنگی خیل کورونہ
نزد گرلز کالج بنوں

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

اٹاری گل نیازی اٹار

بنوں

23-05-80

برخودار شمشیر علی خان۔ رب العزت آپ کو عزت بخشے

السلام علیکم! اللہ تعالیٰ کرے آپ بمعہ اہل خانہ خیریت سے ہوں۔

آج کرنل صاحب انورالدین خان نے آپ کی اطلاع جو بذریعہ فون آپ کے ساتھ کر چکا ہے دیدی ہے۔ جس پر میں از حد خوش ہوا۔ اور رب العزت سے آپ کی سرفرازی اور سلامتی کے لئے دعا گو۔

میں اب بفضل خدا اور آپ کی دعاؤں سے روبروز صحت یاب ہو رہا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میرے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ کیونکہ میں خداوند کریم کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ جب تک آپ میرے گناہوں پر قلم کش نہیں کریں گے۔ میں بھی صحت یابی کی دعا نہیں مانگتا۔ خواہ دنیا فانی سے فنا بھی ہو جاؤں میں راضی ہوں۔ انشاء اللہ میں یکم کو یا بعد میں کسی وقت آ جاؤں گا۔ پھر ہسپتال کی تکلیفات اور اپنی سرگذشت سے آگاہ کر دوں گا۔

آپ ایک ہوشیار اور ذہین شخصیت ہیں۔ آپ نے میری زندگی کا جائزہ بہت نزدیک سے لیا ہوگا لیکن پھر بھی آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ ہر ایک انسان زندگی میں ایک بار ضرور ازمائش آتی ہے اور بہت خوش ہوں کہ خداوند کریم سے کسی حال میں بھی میں نے شکایت نہیں کی اور نہ ہی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہیں۔ کہ مجھے کچھ دیدو۔ کیونکہ میں

بھوکا ہوں۔ ہرگز نہیں کیا۔ اور انشاء اللہ نہیں کروں گا۔ ہاں یہ بات ہے کہ ہمدرد مجھے خود بخود کچھ دینا چاہتا ہو تو میں اس سے خوش ہو کر خدا سے اجر دینے کی دعا کرتا ہوں۔ میں تمام زندگی جدوجہد اور صحت سے گزاری ہے۔ ابھی تک کسی کو بھی یہ سوچ نہیں کہ اثار نیازی اب کس حال میں ہے۔ حالانکہ کئی بار دنیا نے میرے اوپر ایک بہت دولت مند شخص کا یقین کیا ہے۔ دنیا میں صبر سے کام لے کر خودداری ایک بہترین تحفہ ہے۔ پشاور کو آتے وقت خمار علی گل نے خود بخود -/500 روپے پیش کئے اور جب میں نے خمار علی گل کا جائزہ لیا تو رقم لے کر بخوشی خوشی قبول کیے۔ حالانکہ فرزند مشتاق احمد پر میرا بھروسہ تھا کہ جو چاہوں۔ فراخدلی سے میرے اوپر خرچ کر لے گا اور خرچ کیا بھی ہے۔ کاش کہ اسی طرح۔۔۔۔۔۔ ہو جائے تو میری زندگی کے آخری لمحات بہت ہی آرام سے گزریں گے۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ جب پشاور فرزند مشتاق احمد بنوں آ رہا تھا تو پھر بھی مجھے مبلغ -/200 روپے دے کر رخصت ہوا اور میں آج کل ڈاکٹر امین الدین خان کے گھر میں آرام سے دن بسر کر رہا ہوں۔

آپ نے کتابوں کے فروخت کرنے کی جو کوشش جاری رکھی ہے۔ یاد رکھے اس تکلیف کا بدلہ خدا جو کہ علیم بذات الصدور ہیں ضرور دے گا۔ میرے ساتھ اگر امداد کرنے کی خواہش ہے تو یہ کتابیں ان کی ایک کڑی ہے۔ اب کے بہت سارے اخراجات اور خانہ داری اور مساوی بھی ہے۔ میں آپ سے بہت خوش ہوا۔ کہ آپ نے انوارالدین خان کو رقم بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے میری سربلندی فرمائی حالانکہ سروست میرے پاس رقم کافی سے زیادہ ہے۔ بس آپ سب دعا کریں اور اگر اپنے گھر بنوں چلا گیا۔ تو میرے والدہ صاحبہ کو میری سلامتی کا زیرہ دیدینا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کے دل پر کیا کیا گزری ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے۔ کہ ماں بیٹے کے لئے جنت ہے۔ میری والدہ

ماجدہ خوش ہو کر دعا کریں گی۔ میرا ارادہ ہے کہ جناب ظہور الدین خان کو بھی آگاہی دوں گا۔ کیونکہ انہوں نے بھی میرے ساتھ بہت تکلیفات کاٹتے ہوئے میری امداد کی۔ میں نے قبل ازیں ان کو ایک خط تحریر کیا ہے۔ لیکن اس کا صحیح پتہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ ویسے تو میں نے سمجھ کے مطابق لکھا ہے لیکن خدا جانے کہ ملا ہوگا یا نہیں۔ جب آپ ان کے ساتھ ملاقات کریں گے تو میرا اسلام ضرور دینا اور خط کا ذکر بھی کر لینا کہ ملا ہے یا نہیں۔ بڑوں کو سلام اور چھوٹوں کو پیار دینا۔

آپ کا دعا گو:
اثاری گل اثار نیازی
پشاور بقلم خود

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان صاحب

از

پروفیسر غلام ربانی انور

16-1-2000

محترم المقام جناب پروفیسر حاجی شمشیر علی خان صاحب سلامت بہ ایمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

دو دن پہلے پروفیسر حاجی ارشد صاحب نے آپ کی تصنیف "بن باس" پڑھنے کے لئے دی۔ بہت خوشی ہوئی واقعی اب آپ بنوں کے قابل فخر سپوت بنے اور محکمہ تعلیم سے جتنے ہمارے سارے افسران ریٹائرڈ ہوئے ان سب میں آپ نے اپنا وقت قیمتی بنایا۔ اپنے پیچھے ایک ایسی تحقیقی اور تخلیقی کتاب چھوڑی کہ یقیناً مستقبل کا مورخ جو بنوں پر لکھنے کی کوشش کرے گا وہ آپ کے اس تکلیف کی حدت وحرارت محسوس کرے گا۔ آپ کے قلم میں جاندار اور تخلیقی جذبہ پوری طرح موجزن ہے۔ آپ کی دن آویز اور عبرت خیز تحریریں بجا طور پر دلوں کو لبھاتی، روح کو تڑپاتی اور قاری کے دل کو بے قرار کرتی چھبتی ہوئی پار ہو جاتی ہے۔

بنوں جنت نظیر کے باسی آپ کو مدتوں یاد رکھیں گے اور اکثر حساس دل رکھنے والے بنویوں کے لئے یہ کتاب مشعل راہ رہی ہوگی۔ آپ نے دو تین سال پہلے بنوں بورڈ میں ایک ملاقات کے دوران اشارہ میں بتا دیا تھا کہ آپ کچھ لکھنے والے ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ بنوں کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ میرا دلچسپ موضوع یہی رہا ہے اس سلسلہ میں گل ایوب سیفی صاحب سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور ریڈیو پاکستان ڈی آئی خان سے کئی مقابلے اور Talks پیش کر چکا ہوں۔ آپ نے جس عرق ریزی اور اپنی تخلیقی و تعمیری فطرت کو بروئے کار لا کر اس بڑھاپے، ضعیف اور بیماری کے باوجود جو کام کیا۔۔

قابل صد ستائش ہے۔ میں اس خوبصورت کتاب لکھنے پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

میں نے اپنے شجرہ نسب کے سلسلے میں ہنوں محافظ خانے کی خاک چھانی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہاں کے ریکارڈ کی چھان کی بھول بھلیوں اور بوالعجیوں میں ایک انسان (اگر راہنما ساتھ نہ ہو) غرق ہو جاتا ہے۔ کتاب کا سرورق جاذب نظر اور آپ کی تصویر ایک بارعب صاحب شمشیر کی دکھائی دیتا ہے۔ اگر چہ آپ نے کتاب کی پروف ریڈنگ اور کمپیوٹر کمپوزنگ میں بہت زیادہ وقت صرف کیا ہوگا اس کے باوجود جگہ جگہ گرائمر میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کتاب کے ٹائٹل کے لفظ بن پر زبر لگانا چاہیے تھا۔ دو تین پروفیسرز نے جب میرے ہاتھ میں آپ کی کتاب دیکھی بے ساختہ کہا "بن باس"۔۔۔ یہ لوگ زبر زیر پیش کے چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ بعض جگہ خصوصاً ذکر آ کرہ میں اور بعض دوسری جگہوں پر Repeatition of work of ideas ہے۔ آپ کی کتاب ابھی زیر مطالعہ ہے لیکن انتہائی دلچسپ اور معلوماتی ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صاحب سے اکثر خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ آپ کا ذکر خیر ہوتا ہے ہم آپ کو بھولے نہیں یاد کرتے ہیں۔ رب العزت ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آپ کی صحت بحال ہو اور خدا آپ کو مزید توفیق نصیب فرمائے کہ آپ اپنی ادبی اور تحقیقی کاوِشوں کو جاری و ساری رکھ سکیں۔ آمین

دعا گو:

پروفیسر غلام ربانی انور

صدر پاکستان غلام اسحاق خان کو خط اور میری باز پرس

ضیاء الحق کا مارشلائی، ضیائی اور تاریک دور تھا۔ میں نے ایک بار جناب غلام اسحاق خان کو براہ راست عرض داشت کے طور پر ایک خط لکھا۔ جس میں بنوں میں زنانہ ڈگری کالج کے قیام کا مدعا بیان کیا گیا تھا۔ جناب صدر موصوف نے کمال مہربانی پذیرائی بڑا مثبت جواب دیا اور ساتھ ساتھ میری اس کاوش اور جذبہ کو بھی سراہا گیا۔ انہوں نے یہ خط متعلقہ گورنر کو ضروری کاروائی کے لئے بھیجا۔ جس کی پاداش میں سیکرٹری تعلیمات نے میری سخت باز پرس کردی۔ کہ کیوں میں نے صدر پاکستان کو براہ راست خط لکھا ہے۔ میں نے اس کا جواب کچھ یوں دیا۔

"جب خالق ومخلوق میں کوئی پردہ حائل نہیں۔ ہم خدا کو براہ راست پکار سکتے ہیں اور اپنا مدعا بیان کرنے پر کوئی قدغن نہیں تو کیوں ہم بحیثیت مسلمان ایک دوسرے کی حاجت روائی کے لئے براہ راست مدعا بیان نہ کریں۔ خدا کی قسم۔ میرا یہ ایمان ہے میرا مسلک ہے کہ میں آئندہ بھی ایسا ہی کروں گا۔ نتیجہ کچھ بھی نکلے"۔

صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

العارض

پروفیسر شمشیر علی بنوں

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان صاحب

از

نثار علی ولد حاجی نیاز علی

ڈیرہ

8-3-1985

مکرمی جناب پروفیسر شمشیر صاحب

السلام علیکم!

میں خیریت سے ہوں اور امید کامل ہے مزاج گرامی قدر اچھے ہوں گے۔ میرا نام نثار علی ہے۔ میں گورنمنٹ کالج ڈیرہ میں آپ کا شاگرد تھا۔ میرا رول نمبر 178 تھا۔ میں کسی کام سے بنوں آیا تھا۔ آپ سے مل نہ سکا۔ آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ سر! جب وہ دن یاد آتے ہیں تو کچھ بن نہیں پاتی۔ اب بھی جب یہ پرانے دوست مل بیٹھتے ہیں۔ تو آپ کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ آپ نے بڑے پیار لگن سے پڑھایا۔

ارشد صاحب سے کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ڈیرہ میں آج تک آپ جیسا نیک اور قابل اردو کا پروفیسر نہیں آیا۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب تمام لڑکے باہر نکل آئے تھے۔ ان کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اتنے میں آپ آگے آئے اور باغ کے گیٹ پر آ کر کہا کہ "اگر کوئی بھی گیٹ سے نکلا تو میری لاش سے گزر کر جائے گا" آپ کی اس بات پر تمام تر اپنی اپنی کلاسوں میں چلے گے۔ صرف میں ہی نہیں تمام کالج آپ کی عزت کرتا تھا۔ اب بھی ہم آپ کو یاد کرتے ہیں۔ سر! پروفیسر صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ بیمار ہیں۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی بیماری مجھے لگ جائے اللہ آپ کو صحت دے تا کہ آپ اچھی طرح قوم کی خدمت کر سکیں۔

سر میں نے F.A پاس کرلیا تھا۔اب B.A میں انگلش رہتی ہے۔امتحان دیا ہوا ہے آپ میرے لئے دعا کریں کہ مولا مجھے کامیاب کرے۔آمین۔سر کبھی بنوں آیا تو آپ سے ضرور ملاقات کروں گا۔آخر میں میں اپنے اس خط کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

آپ شاد و دو آباد ہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار

فاصلے وصل کی منزل میں تو آسکتے ہیں

دور ہوتے ہیں جدا آپ سے کب ہوتے ہیں

آپ کا شاگرد

نثار علی ولد حاجی نیاز علی

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

SENATE OF PAKISTAN
Islamabad
The March, 1985

My Dear Shamsher Ali Sahib,

I thank you sincerely for your kind message of felliciations and good wishes on my election as Chairman of the Senate. May God bless you.

I pray that Allah in his infinite Mercy would guide my steps on to the Right path, and would grant me the wisdom and courage to serve the cause of Islam and discharge my responsibilities in the best national interest.

Yours sincerely,
(GHULAM ISHAQ KHAN)

Mr. Shamsher Ali,
Assistant Professor,
Govt: Post-Graduate College,
Bannu.

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

GULRANG - UTMANZAI,
CHARSADDA, PESHAWAR.
DATE: 9-4-1985

My Dear Shamsher

Your kind inquiry after my health, after the unfortunate incident on the 6th of January, 1985, is very much appreciated.

Kindly forqive the delay in acknowleding and please accept my profound sense of gratitude.

God bless and be with you.

with every good wish.

Yours Sincerely
(Abdul Ali Khan)

Mr. Shamsher Ali, M.A.
Assistant Professor,
Govt: Postgraduate College,
Bannu.

I

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

Islamabad

August 25, 1980

My Dear Shamsher Ali Khan

Thank you for your letter dated 21st August 1980.

Please do not sound so dejected and disappointed. God is always good and kind and we must have trust in him. I will speak to Professor Rashid and see what can be done for you.

With every good wish.

Yours Sincerely

(Abdul Ali Khan)
V.C Gomal University

Mr. Shamsher Ali,
Assistant Professor,
Govt: Post-Graduate College,
Bannu.

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

Mr Abdul Ali Khan
Islamabad
May 17, 1981

My Dear Shamsher Ali Khan

Thank you for your letter of 5th May 1981.

It was nice of you to remember me and write to me.

As regards "Chapal", I was always of the opinion that he was an undesirable person of the highest order and I expressed this opinion to his face.

You are quite right that God looks after those who work for the welfare of his creation.

"جو لوگ ہمارے راہ میں مشقیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے"

I am sorry that you are still in Dera Ismail Khan inspite of our best efforts!

With every good wish.

Yours Sincerely
(Abdul Ali Khan)

Mr. Shamsher Ali,
Professor,
Urdu Department
Govt: College, D.I.Khan.

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

محمد رضا خان

بوسن روڈ، ملتان شہر

15-12-1983

محترم جناب شمشیر علی صاحب سلامت

السلام علیکم! آپ کی خیرت نامہ ڈیرہ میں ملا تھا۔ میں اس وقت ملتان کے لئے برائے علاج معالجہ روانہ ہورہا تھا۔ اس وقت سے یعنی 7 نومبر سے مسلسل ملتان میں سکونت پذیر ہوں تین چار روز کے لئے لاہور گیا تھا۔

علمی والوں سے بات چیت ہوئی میری کتاب کا دسواں اڈیشن نکل رہا ہے۔ دعا کریں کہ بعض ترمیمات طالبعلموں کے لئے باعث ہدایت ہوں آمین۔ آپ کی تشویشناک علالت کے متعلق پڑھ کر طبیعت افسردہ ہوئی۔ آپ فکر نہ کریں یہ دل کا دورہ نہیں ہے چائنا کا جڑی بوٹیوں کا علاج کافی تسلی بخش ہوتا ہے۔ میری دعائیں ہر وقت آپ کے شامل حال ہوں گی۔ گھی اور نمک سے پرہیز کریں Inscrall استعمال کریں۔ وزن کم کریں 160 پونڈ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ B.P. 150/80 ہو تو بہتر ہے میں یکم جنوری تک ڈیرہ پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد میرا پتہ یہ ہوگا۔

Muhammad Raza Khan (Retd Principal)
C/o MUhammad Ayub Khan
Circular Road,
D.I.Khan Divison, NWFP

آپ کی صحت یابی کے متعلق میں فکر مند رہوں گا۔

آپ کی خیریت کا طالب

محمد رضا خان

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

پروفیسر پریشان خٹک

پشاور یونیورسٹی

20 فروری 1984ء

محترم جناب شمشیر علی خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

ایک عرصے کے بعد آپ کی خیریت کا پتہ چل کر یقیناً خوشی ہوئی۔ جن الفاظ میں آپ نے میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کا جواب نہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ مگر ایک بات ہے کہ آپ مذاکرے میں میری باتوں سے جتنا متاثر ہو چکے ہیں اس سے زیادہ میں آپ کی قلم کاری اور انشا پرواری سے مرعوب ہوا۔ جس کا ثبوت آپ نے اپنے خط میں دیا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

آپ کی محبت میرے لئے ایک سرمائے کی حیثیت رکھتی ہے۔ خدا کرے کہ میں زندگی بھر اس سے محروم نہ ہو جاؤں۔

اجازت دیجئے۔ خدا حافظ

آپ کا مخلص

پریشان خٹک

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

ڈاکٹر گل بادشاہ

کوہاٹ

10/1984

برادرم شمشیر علی خان خدا خوش رکھے۔

السلام علیکم!

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ میں بخیریت ہوں۔ ندیم نے نمبر کم لئے ہیں۔ دوبارہ امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ کا خط آیا تھا۔ مولانا صاحب کو خدا جنت نصیب کرے۔ عمر کے لحاظ سے حصہ کم ملا۔ بیماری کا پتہ بھی نہیں چلا۔

9 بجے میں 11 ستمبر کو آپ کے نامکمل گھر پر آیا تھا آپ کے کتے نے جواب دیا۔ اور کوئی نہ مل سکا۔ سڑک کے کنارے دوکاندار بڑی شان سے پشتو ٹیپ ریکارڈ بجا رہا تھا۔ جو میں آپ کے گھر تک آنے جانے میں سنتا رہا۔ پیرا میڈیکل سٹور بھی بند تھا۔

امید ہے آپ کا دل ساتھ دے رہا ہوگا۔ اس کو تنہا ہی چھوڑ دیں۔ وہ جو کہتے ہیں۔ دیوانہ باش تا غم تو دیگراں نو رند۔ اب ندیم وغیرہ اپنا کام سنبھالیں۔ "سیشن جج کا والد لڑکے کو گاڑی سے رخصت کر رہا تھا۔ تو اسے سامان وغیرہ کے خیال کی بہت تاکید کر رہا تھا۔ اور جاننے والے حیران تھے۔ خدا کرے کہیں کچھ ملاقات کا وقت نکل آئے۔

والسلام

آپ کا مخلص

گل بادشاہ

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

ابوالاثر حفیظ جالندھری

سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ 766/F

مورخہ: 29-6-1967

دل ابھی تک جوان ہے پیارے
کس مصیبت میں جان ہے پیارے

جناب شمشیر علی سلام مسنون قبول کریں۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ میں کسی مقالے یا کسی نظم کے بارے میں مصنف کو خطاب کرنے کی جرت کروں۔ شمشیر صاحب ساری عمر مشق سخن ہی میں گزری۔ مجھے کوئی معیاری لکھنے والا مانے یا نہ مانے لیکن معیاری تحریر (نظم ہو یا نثر) کی تحسین کرنے والا مجھے عالی ظرف حریفان ادب بھی مانتے ہیں۔ آپ کا مقالہ ایک واضح نقطہ نظر اور سلاست و نفاست سے معمور نظر آیا۔ قلم اٹھایا اور واہ گزارش کردی۔ اس میں اللہ کریم ہی جانتے ہیں بے ساختگی اور بے اختیاری تھی۔ اگر کوئی بات کھٹکی ہوتی تو وہ میں بھی لکھ دیتا۔ آپ خفا بھی ہو جاتے تو میں اتنے عمدہ مقالے کو (اپنی ہی نظر سے سہی) معمولی سی کمزوری سے بھی بری دیکھنا چاہتا لیکن آپ نے جس احتیاط اور جس نظریے سے زاویہ خیال کو ملحوظ رکھا اس کی کم از کم داد دینا تو ضروری تھا۔ لہٰذا بستر علالت ہی پر نیم دراز جو بھی قلم نے لکھ دیا نظر ثانی کے بغیر لفافے میں قید کر کے آپ تک پہنچانے کی سبیل کر دی۔

ڈرتا تھا کہ کہیں کالجوں میں چھٹیاں نہ ہوگئی ہوں۔ اور آپ اپنے مقام سے جنبش نہ فرما گئے ہوں۔ بحمد اللہ کہ میری سطور آپ تک پہنچ گئیں۔ اور اپنے سعادت مند صاحب قلب ونظر جوان آدمی کی طرح میری تحسین کو میرے دل کی بات جانا اور مجھے اپنے خط سے نوازا بھی محبت اور اخلاص کے ساتھ۔

یہ سمجھ لیجئے شمشیر صاحب

یہ کیف صدق وصفا حرف عہد بیکار ست

نگاہ اہل محبت تمام سوگندست

شعر خان عبدالرحیم کا ہے۔ معلوم نہیں یہ کیف ہے یا کوئی اور ترکیب ہے بہر حال ان دنوں بھلاکڑ ہوں یہ کیش یاد آیا اور لکھ دیا۔

میرا کام آج کل دوسروں کے لکھے کا مزے لینا ہے۔ خود غزل پر اپنی دانست میں قدرت کے بعد بے شمار اختراعات اردو شعروسخن کر گزرا اور مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی تامل نہیں کہ یہ دور نظم ہو یا غزل یا گیت مجھ نالائق ہی کی اختراعات سے شروع ہوا۔ گیت یا نظم معرا (بامقفے) میرے ہاں معنی سے معرا نہیں لیکن تعجیل پسندوں نے ادب پر محنت ضروری نہیں جانی۔ واقعی کی خشک سیروں ویں بھی شاعر کا لہو ہوتا ہے۔ درست فرمایا تھا۔ میں ترقی پسندوں کو تعجیل پسند کہتا ہوں ان میں جوہر ہیں۔ لیکن نہ گھڑنت سے واقف ہیں نہ تراشیدن سے جو کچھ منہہ سے نکل جائے تحسین باہمی کی انجمن ہوحق کرنے لگتی ہے۔ انہی میں سے نقادان فن ہیں جن کے بارے میں اپنی ایک نظم میں عرض کیا۔

خالقان سخن کا دور نہیں

قاتلان سخن کی بات کر

آپ کا وقت ضائع کیا۔ آپ غزل پر کچھ لکھنے والے ہیں۔ بہت ہمت اور اختیار

لازم ہے۔ یہ دوستانہ اور مخلصانا مشورہ ورنہ آپ سے توقع تو بہترین مقالے ہی کی ہے۔ اگر مناسب ہو تو اپنا معمولی سا تعارف کر دیجئے۔ نام تو پڑھ لیا ہے لیکن کردار کیا ہے۔ اصل جائے پیدائش یا جنم بھوی کہاں ہے۔

دعا گو

حفیظ

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

محمد اکرم

سائنس زراعتی کالج

ڈیرہ

27-8-1977

برادرم شمشیر صاحب

السلام علیکم!

حامل خط کو آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آپ کو اس بچے کے کوائف بھی معلوم ہیں۔ فیس کے معاملے میں اس سے کہا گیا ہے کہ آج اگر فیس نہ دی تو نام کاٹ دیا جائے گا۔

بھائی جان! آج میں نے اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا تھی۔ لیکن بھول گیا۔ یہ آپ کو اپنے متعلق بتلا دے گا۔ آپ اسے ایک کارِ خیر سمجھ کر اوپل صاحب سے اس کا کام کرا دیں۔ غالباً -/100 روپے اس کے ذمے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری خاطر اوپل صاحب سے یہ رقم پورفنڈ سے منظور کرائیں گے۔ مجھے معلوم ہے اس بچے کے گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ آپ صرف اوپل صاحب سے کہیں کسی اور سے نہیں۔ وہ آپ کا کہنا نہیں ٹالیں گے۔ اس کے والد کا خط بھی ہمراہ ہے۔

پیشگی شکریہ

آپ کا

محمد اکرم

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

فقیر ضمیر

فقیرا یپی وقف

محترم المقام جناب پروفیسر شمشیر صاحب

السلام علیکم! برخودار عمران خان کے واسطے سے آپ سے رابطہ ہو رہا ہے۔

درحقیقت آپ نے بنوں کی تاریخ کے حوالہ سے جو تحقیق کا کیا ہے۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اب تاریخ مروت پہ جو کام کررہے ہیں وہ بھی قابل ستائش ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس وقت بنوں ڈویژن میں بلکہ جنوبی اضلاع میں تاریخی نقطہ نظر سے آپ جیسا مخلص نہیں۔ **ذمروتو کسرونه** کی کتاب میں نے ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن سردست ناکام رہا۔ انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں آپ تک پہنچ جائے گی۔ صرف ایک کسر فی الحال حاضر خدمت ہے۔ میری کوشش ہے کہ دیگر نایاب کسریں بھی پیدا کروں۔ اس سلسلے میں انشاء اللہ کل سے تلاش شروع کروں گا۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ باقی فقیر کے ذمے کوئی خدمت ہو ہر وقت تیار و تابعدار ہوں۔

خداوند عزوجل آپ کی سعی کو قبول فرمائے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی و سرفرازی کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثمہ آمین۔

این دعا ازمن واز جملہ جهاں آمین باد۔

فقط

فقیر ضمیر

خط بنام پروفیسر شمشیر علی خان

از

ابوالاثر حفیظ جالندھری

سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ 766/F

مورخہ: 29-6-1967

مکرم جناب شمشیر علی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون

عنوان "غزل اور غزل" کے تحت آپ کا بہت ہی ششدرانہ مضمون آج روزنامہ جنگ کی اشاعت مورخہ ۱۳ جون بغور و بشوق مطالعہ کیا۔ آپ نے غزل کو اور غزل گو شاعروں کو چند محتاط سطروں کے ذریعے اپنے حلقہ خیال میں لے لیا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ بہت ہی مختصر ہے اسے افکار میں جامعیت دکھا دی ہے۔ آپ نے بالکل میرے قلب کی بات زبان قلم سے کاغذ پر لکھ دی کہ:

غزل آرٹ غیر تخلیقی نہیں اور نہ "سکونی" ہے اس میں
زندگی ہے۔ جان ہے۔ حرکت اور توانائی کی قوت ہے

فقط

حفیظ جالندھری

بن باس کا درانی۔۔۔۔۔۔۔؟

21جون 2005

ایک عجیب سا مخمصہ تھا۔ آنے والے سب ہی حملہ آور ایک ایسی قوم کو محکوم بنانے کے درپے تھے جو متنوع زندگی کے ان گنت مناظر دیکھنے کے باوجود آزادی آگ کے مول حاصل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ نوشتہ یا دستاویز جو غلاموں کی آزادی کے لئے لکھا جاتا تھا۔ اس شوریدہ سر قوم کی تاریک ایسے کسی دھبے سے میلی ہوئی نہ ہی ایسا کوئی گھاؤ ہی ان کے سینے پر لگا اور نہ ہی یہ کبھی آرزودہ خاطر ہوئی۔ البتہ شاید سونا اگلنے والے باغات اور شہروں کی اس سرزمین کا نصیب ہی تھا کہ ہاتھ کی ہر لکیر دہلیز جاں پر سیاہ موت کی دستک دیتی۔ پھر یوں خاموش ہو جاتی کہ جیسے " آگ لگا کر پانی کو دوڑنے" کا منظر سارا قصہ بیان کر دیتا ہے۔ میانوں میں پڑی تلواریں تڑپ کر باہر کو آ لپکتیں جنہیں فاتحین لہراتے ہوئے افغانستان اور ہندوستان کے سنگم پر آباد اس قوم پر یلغار کر دیتے۔ خون کی ہولی کھیلی جاتی "لوٹ مار کی جاتی بستیوں، کھیتوں اور کھلیانوں کو اجاڑ دیا جاتا، بچوں، بوڑھوں اور خواتین تک کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ 1505ء میں جب بابر اس خطہ پر چڑھ دوڑا اور "اولاد کیوی" نے ان کے لشکر پر شب خون مارا تو مارے غضب کے پوری بستی کو ہی تہ تیغ کر دیا گیا۔ ٹکڑوں میں منقسم جسموں سے سروں کو علیحدہ کرتے ہوئے نشان عبرت کے طور پر مینار ایستادہ کیا گیا۔ جبکہ سربریدہ بے گوروکفن نعشوں کو جنگلی جانوروں کی خوراک بننے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ناک کان کاٹ دینا تو ایک معمول تھا۔ سینوں کے گھاؤ مندمل ہونے کو نہ آتے۔ آنکھوں کے زخم دہک کر پھر سے جاگ اُٹھتے۔ غموں کی آگ دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ دکھوں کی گٹھڑی کچھ اور سوا ہو جاتی۔ سبھی مکینوں کے دل پر ہر روز ایک نئی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ یوں کہ لہو میں ڈوبی سیاہ رات سحر کا

مرتبہ سناتے سناتے بیت جاتی مگر آہوں اور سسکیوں کا سلسلہ تھا کہ تھمنے کو نہ آتا۔

یہ کسی اور کی نہیں بنویوں کی کہانی ہے۔ دار و گیر کے معرکوں میں لہو کے جام جام چھلکانے والے یہ دیوانے بدقسمت اہل بنوں یا بنوں وال تھے۔ یہاں کی تاریخ ایسی گھٹنائیوں سے بھری پڑی ہے جو آج بھی نظر سے گزر جائے تو روح لرز اٹھتی ہے۔

اس سرزمین پر مسلمانوں نے پہلی بار ۴۴ھ میں قدم رکھا امیر معاویہ کے دور خلافت کے بعد سے یہ زمین لہو رنگ کہانیاں رقم کرتی رہی ہیں۔ سبکتگین، محمود غزنوی، غوری، تیمور لنگ، بابر، محمد شاہ درانی، رنجیب سنگھ اور خالصہ دربار کے ہزاری سالار سوچیت سنگھ اور فرنگی وغیرہ بیسیوں حملہ آور قومی غیرت، ننگ وحمیت اور اپنی بقاء کے لئے شمشیر و سنان سے شغف رکھنے والے بنوں والوں کو کس کس طرح زِک پہنچائی گئی خصوصاً نادرشاہ نے جو ستم و بربریت کے ایسے باب رقم کئے کہ تاریخ بھی نوحہ کناں ہوئی۔ مغلیہ حکمران بزور بازو لگان وصول کرنے کی کوشش میں ہر دوسرے تیسرے سال بنوں پر یلغار کرتے رہے۔ تحریک خلافت کے دوران بھی کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ البتہ احمد شاہ ابدالی بڑا نبض شناس تھا۔ اس نے بنوں والوں کو افتادہ طبع کا "تریاق" دریافت کیا اور اسے خوب پذیرائی بھی ملی بلکہ بنوں کے باسی انہیں بابا ابدالی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ الغرض بنوں ہمیشہ آزاد یا پھر نیم آزاد رہا۔ جہاں فاتحین کی یورشوں کے بعد بھی آزادی فرشتوں کی مانند آہستگی سے پاؤں رکھتی دل کے آنگن میں سجدہ ریز ہو جاتی تھی۔

یہاں بنوں کی تاریخ دہرانا مقصود نہیں اور نہ ہی راقم محقق ہونے کا دعویدار ہے۔ یہ کام تو پروفیسر شمشیر علی خان جیسے بلند پایہ علمی شخصیات کا امتیاز ہے۔ پروفیسر صاحب نے "بَن باس" کے نام سے بنوں کی تاریخ کھوجنے میں جس محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے شاید اسے صرف سوچا جا سکتا ہے۔ پایہ تکمیل تک پہنچانے کا امتحان در پیش آئے۔ یقیناً

دانتوں کو پسینہ آجائے گا۔ پروفیسر صاحب نے محض ابہام دور کرنے میں بھی انتہائی دیانتداری کے ساتھ حقائق کو یکجا کیا ہے خصوصاً بنوں کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے بانو بیگم کو بنیاد گردانے کو انہوں نے صفحہ تاریخ سے کسی حرف غلط کی طرح کھرچ ڈالا ہے۔ اسی طرح لفظ بنوچی ترکیب کے استعمال کے حوالے سے بھی انہوں نے دلائل کے ساتھ وضاحت پیش کی ہے۔ اور اسے مضحکہ خیز بلکہ توہین آمیز گردانتے ہوئے قرار دیا ہے۔ کہ یہ ترکیب غیر مقامی افراد کے پشتو زبان سے بیگانہ ہونے اور دو کہ (حلقوں) کی ایڈجسٹمنٹ کے سبب وضع ہوئی۔ جو درست لفظ بنوی کی ادائیگی پر قادر نہ تھے۔ انہوں نے اہل بنوں کو یہ بھی ترغیب دی ہے کہ بنوں کے باسی اپنے نام کے ساتھ بنوی ترکیب کے استعمال کو یقینی بنائیں۔ یقیناً یہ قومی شناخت اور وجہ تفاخر ہوگا۔

مقصود یہ ہے کہ یہاں عادلانا معاشی، معاشرتی، سماجی، اخلاقیات اور اعلیٰ انسانی اوصاب کی شروعات سے نئے نظام فکر کے تاسیس کی آرزوؤں اور داخلیت اور خارجیت کے باہم معانقہ کی راہ میں حائل، اجنبی اور عجیب ماحول جس نے وادی میں کاغذی چہروں کا شہر اور اکیلے پن کا زہر بھر دیا ہے کا زمینی حقائق کے تناظر میں احاطہ کیا جا سکے۔

انسان شعور کی قندیلوں کی روشنی اور زبان و مکاں کے اسرار و رموز تلاشنے کی جہد مسلسل اور تسخیر کائنات کی خو کی تحریک نے ایسے ایسے کمالات دکھائے ہیں کہ سائنس کے حرکت میں آجانے سے آج پوری دنیا کا وجود سمٹ کر ہتھیلی میں آ گیا ہے۔ اگر چہ یہ حیران کن ہے تاہم نت نئی سائنسی ایجادات نے انسان کی حیرت زدگی کی حس کو نگل لیا ہے۔ لہٰذا آج کسی بڑی سے بڑی ایجاد پر ایک ذرا سی جنبش نہیں ہوتی یعنی معصومیت مقتول ٹھہر چکی۔ زمانے زمانے کی باتیں ہیں آج سے تیس چالیس سال قبل ہمارے گاؤں فاطمہ خیل بار چوک کی مسجد کے مولوی پیر محی الدین کے بھائی خان بدر مرحوم کی نماز عشاء کے بعد حجرے

بین گونجنے والی کہانی کے دیو کی حرکتوں پر مجھ سمیت گاؤں کے سبھی لڑکے کبھی غصے سے بل کھاتے کبھی مارے حیرت کے دنگ رہ جاتے ہیں، دیو کی طرف سے کوہ کاف سے اٹھائی گئی پری کو اپنی محبت پر مائل کرنے کی کوشش کے دوران اسے قد آدم آہنی پنجرے سے مٹھی میں دبوچ کر اور ہتھیلی پر بٹھا کر چہرے کے سامنے لانے کے مرحلے پر تو ہم سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس حوالے سے ہم نقطے پر متفق نہ ہو پائے تھے۔ کچھ کا خیال تھا کہ پری انتہائی کوتاہ قد ہوگی جبکہ بعض کا اسرار تھا کہ پریوں جیسی حسین مخلوق کوتاہ قامت نہیں ہوسکتی۔ ضرور دیو انتہائی بھاری بھرکم اور دراز قد رہا ہوگا۔ لیکن آج پوری دنیا کے ایک ہتھیلی پر سمٹ آنے سے بھی کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ خان بدر مرحوم کمال آدمی تھے۔ وہ ایسے لفظیات کا چناؤ کرتے جو بڑے کثیر المعانی ہوتے ان کی فصاحت و بلاغت سے مزید داستانوں سے ٹھٹھرا دینے والی سردی کا احساس جاتا رہتا۔ اس کی تعلیم کیا تھی مجھے علم نہیں لیکن فاطمہ خیل کے حجرے میں ان کی آواز برسوں سے گونج رہی تھی اور ان کی ادستان اب تک اہل فاطمہ خیل کے ذہنوں میں سفر کرتی ہے۔ کوہ کاف کی پریوں اور دیوؤں کی کہانیوں کا لامتناعی سلسلہ داعی اجل کو لبیک کہنے سے چند دن پہلے تک چلتا رہا۔ ہر رات ایک سنسنی خیز موڑ پر خان بدر مرحوم اچانک "بریک" لگا دیتے اور حکم صادر کرتے رات بہت ہو چکی تم سب نے صبح کو سکول جانا ہوگا باقی کا قصہ کل پر چھوڑتے ہیں۔ ہم بادل نخواستہ اٹھ کھڑے ہوتے لیکن سردیوں کی طویل راتیں سانپ بن کر ڈستیں کبھی داستان گونجتی اور کبھی سناٹے بول اٹھتے اگلی رات تک زندہ اجالوں کی کئی تصویریں سی ابھرتیں اور آنکھوں کی زمین پر میٹھے خوابوں کی کئی بوندیں گر پڑتیں۔ ملال ہوتا انمول ساعتوں کا چاندنی کی گود میں سو رہنے کا۔ خان بدر مرحوم کی داستانوں کی وساطت سے بعد ازاں کتابوں سے شناسائی ہوئی اور ہزار داستان پڑھ کر ہزار حرارتیں ٹوٹ پڑیں۔ محسوس ہوا کہ خان بدر مرحوم ہر رات ہزار داستانیں

سناتے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو ان کے حافظے کو داد دینی پڑتی ہے۔ یہ چہرا واقعی علم کی قندیل تھا۔ بات ہو رہی تھی۔ دنیا کے وجود کا سمٹ کر ہتھیلی پر سما جائے گی۔ چنانچہ سمٹ آئی دنیا کی تہذیب وتمدن، سیاسی وسماجی سائنس اور معاشرتی ترقی کو غیر یقینی انداز سے پرکھ کر دنیا سے قائم نیا تعلق استوار نہیں رکھا جا سکتا۔ بنوں اپنی جغرافیہ وتاریخ اور سیاسی لحاظ سے جتنا ماضی میں اہم رہا آج جب دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا شور وغوغا ہے قبائلی سرحدوں پر واقع ہونے سے بنوں کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ خصوصاً اس جنگ میں پاکستان کے فرنٹ مین کا کردار ادا کرنے کے نتیجے میں سماجی سطح پر تیزی کے ساتھ جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اسے محسوس کیا جانا مشکل نہ ہونا چاہئے۔

بنوں کے دکھوں کی پوٹ کے کھل جانے اور فاتحین کے جبر تسلسل کے مقابلے میں آزاد بنوں کے نقوش کیونکر بگڑ گئے یہ جرم کب اور کس سے سرزد ہوا اس کا سراغ لگانے کے لئے یقیناً ماضی میں جائے بغیر حال کی بدحالی کا کھوج نہیں لگایا جا سکتا۔ صدیوں تک حملہ آوروں سے برسرپیکار رہنے والے قوم کی اجتماعی عادات واطوار آرزومندی کی ایک ارفع صورت گری خارجی عوامل سے متاثر ہو کر موم کی طرح دھیرے دھیرے کیونکر پگھل گئی؟ حالانکہ بنوں گزرگاہ ہونے کے باوجود اہل بنوں کا عصری شعور ان کے اندر جذبے اور وجد کی سرشاری ماند کرنے میں کبھی کامیابی حاصل نہ کی جا سکی۔ لیکن اب ہم دیکھتے ہیں نت نئی ایجادات نے جہاں انسانی عقل کو حیرت زدہ کر رکھا ہے وہاں نوجوان نسل کے سامنے مادی ترقی کا ایک سحر انگیز اور پرکشش ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ جس سے مذہب اور دین کی باتیں فرسودہ اور بے سود دکھائی دینے لگی ہیں۔ مادہ پرستی کے اس ماحول نے ایک طرف تو حرص کو ہوا دے دی ہے۔ دوسری جانب مسلمانوں کو اسلام اور اس کے تقاضوں سے دور کر دیا ہے۔ مزید برآں دینوی اور دینی تقاضوں کے درمیان وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔ ان حالات کی

موجودگی میں ہم نے ایمان اور اس کے تقاضوں کو واضح اور قابل فہم انداز میں پیش نہ کیا تو اس سے داخلی انتشار کے باعث مسلمانوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مزید محدود اور مسدود ہوسکتی ہے۔

زندگی اپنے رنگ ڈھنگ کے سانچے میں ڈھلی کمال بے پروائی سے آگے بڑھتی ہے۔ یہ پلٹ کر دیکھنے کی خوگر نہیں کہ جن راستوں کو پاٹ آئی ہے۔ ان میں کہاں شہنائی بجی اور کس مقام پر بلکتی سسکتی انسانیت ماتم کناں رہی۔ یہ اپنے گرد بے ثباتی، رنج والم، سنجیدگی، کلفتوں اور مسرت ونشاط کے رنگوں سے مزیں دائرے کھینچ کر انسانوں کو دعوت فکر اور ان کے دلوں میں زندگی کی رعنائیاں کھوجنے پر اکساتی ہیں۔

خط بنام شمشیر علی خان صاحب

از

حاجی عبدالکریم (ر)

کلی مچن خیل

9 اگست 2002ء

میرے شمشیر تابندہ رہو

سلام مسنون: مزاج شریف

؎ گو میں رہا۔ رہین منت ہائے روزگار
لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

مکتوب کا باعث ڈاکٹر ظہور صاحب رہا۔ صدا اس کو تابندہ رکھے اور آسمان صحافت پر درخشندہ رہے۔ ہوا یوں کہ انہوں نے (آج) میں نقاد اور کتاب کا تعلق جوڑا ہے اور اس نے وہاں پر سرفراز صاحب کے متعلق لکھا۔ شکریہ کے ساتھ سرفراز کا تعلق پردہ، داڑھی، دستار، عصا پر اظہار کیا۔ خدا ڈاکٹر صاحب کا بھلا کرے کہ اس نے جواب لکھا۔ جو کہ برائے مطالعہ ارسال ہے۔

اسی طرح کا ذکر خیر ہوا۔ آپ کی دید، دیدار کے لئے طویل انتظار اور صبر ایوبؑ سے کام لے رہا تھا۔

؎ ترس رہی تھی تیری دید کو جو مدت سے
وہ بے قرار نگاہیں سلام کہتی ہیں

آپ کی ملاقات کئی بار پہلے۔ مگر نتیجہ ندارد۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اُٹھائی 613672 نمبر معلوم کیا بعد از کوشش بسیار۔ خط لکھنے کی کوشش کی مگر خط لکھوں گا اگرچہ

مقصد کچھ نہ ہوا، ہم تمہارے نام کے عاشق ہی ہیں۔ ہوا وہی جو ہونے والا تھا۔ ریٹائیرمنٹ کے بعد کچھ احباب نے ادھر ادھر کھنچا۔ مگر دل کا معاملہ۔ گھر میں آرام کیا۔ بچوں نے منع کیا۔ یہی کماتے رہو گے۔ کبھی کھانے کا موقع ڈھونڈھو۔ آج کل سو فیصد گھر پر ہوں۔ ابھی مے کدہ لکھی۔ مچن خیل میں لگایا ہے یہیں پر ہوں۔ فون 510986، 0300-5822897، 0345-9852467 ہیں۔ آپ کی تصانیف کے لئے چشم براہ ہوں۔

C/o حاجی عضمت اللہ D.D.E.O ایجوکیشن ٹاؤن لکی مروت بھیجئے

دعا جو، دعا گو

حاجی عبدالکریم (ر)

عسیک خیل کلی مچن خیل

راز و نیاز

حفیظ جالندھری کا خط بنام مصنف (پروفیسر شمشیر)

مکرم جناب ایم شمشیر علی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون

عنوان :۔غزل اور غزل گو۔ کے تحت آپ کا بہت خستہ در بشتہ مضمون روزانہ جنگ کی اشاعت مورخہ 13 جون بغور اور بشوق مطالعہ کیا۔ آپ نے غزل اور غزل گو شاعروں کو چند سطور کے ذریعے اپنے حلقہ خیال میں لیا۔ یہ مضمون اگر چہ بہت ہی مختصر ہے مگر آپ نے اختصار میں جامعیت دکھادی ہے۔آپ نے یہ بالکل میرے قلب کی بات زبانِ قلم کاغذ پر رکھ دی ہے کہ غزل کو آرٹ یا فن کے بارے میں نئے تقاضوں کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی سچ فرمایا ہے کہ غزل گو شاعر اس وقت تک اپنے فن سے مطمئن نہیں ہوتا جب تک وہ اس کی رنگ آمیزی میں خون جگر کی آمیزش نہ کرے وہ اپنے فن کو ادھورا اور نامکمل خیال کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے ساز میں صاحب ساز کا لہو شامل ہونا چاہئے۔ میں نے آپ کے اس قابل قدر مقالے کے چند الفاظ اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ آپ کم از کم یہ جان لیں کہ کہنہ سال شاعر (جو غزل کو بھی ہو اور دوسری پرانی اصناف کے ساتھ نئی اصناف کا مخترع بھی جانا گردان گیا ہے) آپ کا کس قدر ہم خیال ہے ملک اشعراء گرامی صاحب نے کہا تھا کہ

شعرم رابه مدرسه که برد

مگر حفیظ کہتا ہے کہ اے اہل مدرسہ بیاور ید کہ بدیں جا بود سخن دانے چانچہ الحمداللہ چند اور بھی ہیں آپ بھی مل گئے۔ ضعیف انگلیوں سے یہ سطور گھسیٹ رہا ہوں اور کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس غزل اور جن جدید غزل گو شعراء علی قدر کا تذکرہ آپ نے فرمایا ان میں کتنے ہیں جو تحسین باہمی کی انجمن کے سہارے نمودار ہیں اور کتنے خون جگر کو بروئے کار لاتے

ہیں۔

میرے پیارے استاد پروفیسر صاحب محض دعویٰ سے مدعا سامنے نہیں آجاتا یہ آپ بھی جانتے ہیں میں تو محض یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایسا نبض شناس اور مصنف ہادہو اور شورشر سے بے نیاز ہوکر زندہ شاعروں میں سے ان کو سامنے لائیں۔ جو معیاری ہیں۔ باقی رہے نظم گو شعرائے کرام میری رائے یہ ہے کہ نظم گیت نغمہ نوحہ ترانے کچھ بھی ہو جب تک غزل پر شاعری حاوی نہیں نظم میں شاعری پیدا کرہی نہیں سکتا۔ خدا کرے کہ آپ کو اس بارے میں مجھ سے اختلاف نہ ہو۔ غزل یہ شاعری کی جان ہے۔ میں نے یہ سطور ایک جذبہ بے ساختہ سے دھر گھسیٹی ہیں۔ علیل ہوں مگر آپ کا مقالہ پڑھنے کے بعد چپ نہ رہا گیا۔ وہ واہ کا مقام تھا۔

دعا گو

حفیظ جالندھری

13-6-1968

خط بنام حفیظ جالندھری

از

شمشیر علی خان

بنوں

20 جون 1968

جناب حفیظ صاحب کی خدمت میں دست بستہ سلام عرض ہے۔

آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ آپ نے میرے ناچیز و خام خیالات کو جس استحسان نظر سے دیکھا ہے اور پھر جن توصیفی اور ستائشی کلمات سے آپ نے میری حوصلہ افزائی کی ہے یہ محض آپ کی ادب پروری اور ادب نوازی کا نتیجہ ہے۔

کشش نہ جام نگاریں کی پوچھ اے ساقی
جھلک رہا ہے میرا آب و رنگ تشنہ لبی

آپ کا ایک ایک حرف میرے لئے سرمایہ ناز ہے اور یہ تا زیست ان پر فخر کروں گا۔ آپ کی ذات گرامی دنیائے ادب میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس سے ہمہ جہت ہدایات اور رہنمائی کی حوصلہ افزاء شعاعیں برابر پھیلتی رہتی ہیں۔ آپ مختلف اصناف سخن کے بجا طور پر مخترع ہیں اور سرچشمہ علوم ہیں کتنے تشنگان داب ہیں جنہوں نے یہاں سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ آپ کی ذات گرامی بذات خود ایک انجمن ہے بلکہ ایک ادارہ ہے جہاں قدیم و جدید صالح رجحانات کے مختلف تلخ و شیریں (تلخابہ شیریں) دہارے آ کر حسین امتزاج کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ کا کلام بلا مبالغہ آپ کی شخصیت کی جلوہ گری ہے۔ جس میں مختلف اصناف سخن مختلف رنگ و آہنگ کے ساتھ قوس و قزاح کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ اردو ادب کو آپ جیسی شخصیت کی از حد ضرورت ہے۔

کیونکہ گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے۔ خداوند پاک آپ کو تادیر زندہ رکھے آمین ثم آمین۔

پروفیسر شمشیر
شعبہ اردو گورنمنٹ کالج بنوں

کب ڈوبے گا سرمایہ داری کا یہ سفینہ؟ شمشیر علی پوچھتے ہیں۔

جواب حاضر ہے۔

(ڈاکٹر ظہور احمد اعوان)

ہمارے ایک دوست ہیں پروفیسر شمشیر علی خان بنوں کے رہنے والے سفید ریش، رفیق تارڑ جیسی قراقلی ٹوپیوں کے رسیا چند سال پہلے ریٹائیرڈ ہو کر وکالت کی پریکٹس شروع کی مگر دل اس کام میں نہ لگا کہ دل کے مریض۔ ایک بے قرار روح اور تڑپتی آتما کے مالک ہیں سماج کی ناہمواریوں اور انسان کے دکھوں پر رونے، چیخنے والے آدمی ہیں رونا ان کو بہت آتا بھلکڑ ایسے ہیں کے عینک آنکھوں پر لگا کر گھنٹوں عینک ڈھونڈتے رہیں گے بیس برس پہلے ہم دونوں ڈیرہ کالج میں اکٹھے پڑھاتے تھے مارشل لاء کا جابرانہ دور تھا میں ڈیرہ میں سزا کاٹ رہا تھا اور طرح طرح کی اذیتوں سے گزر رہا تھا۔ رہنے کو جگہ نہ مہینوں تک تنخواہ ملتی، چھٹیاں منسوخ، ڈیرہ سے باہر نکلنا ممنوع غرض ایک ایسا دور تھا جب زندگی سے زیادہ موت سے پیار ہونے لگا تھا میں گھنٹوں ایک اکیلا دریائے سندھ کے کنارے بیٹھا یہی سوچتا رہتا تھا کہ زندگی کا کیا فائدہ کیوں نہ جاؤں۔ اس عالم میں شمشیر علی خان میری ڈھارس بڑھاتے تھے چپ چاپ میرے قریب آکر دریائے سندھ کے کنارے بیٹھ جاتے اور مجھے وہاں سے اٹھالے جاتے کبھی خفیہ پولیس والوں سے بچاتے خود اپنی چیزیں رکھ کر بھول جاتے مگر میری تواضع اور خبر گیری کرنا نہ بھولتے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ شمشیر علی خان مجھے وہاں نہ ملتے تو میں کہاں ہوتا کئی مرتبہ میرا استعفیٰ میرے اور میرے پرنسپل کے ہاتھوں سے لے کر پھاڑا۔ شمشیر علی خان ایک ہر دل عزیز استاد تھے مگر لکھنے سے گریزاں رہتے۔ میں بار بار ان سے یہی کہتا کہ کچھ لکھیں آپ کے دل میں بہت کچھ ہے دماغ معمور ہے قلم

کاغذ موجود ہے میری ان کی یہی لڑائی رہتی مگر وہ اس طرف نہ آتے بہر حال اب انہوں نے قلم اٹھالیا ہے۔ پشاور کے بارے میں ڈاکٹر امجد حسین کی کتاب عالم میں انتخاب چھپی اس کی رودادیں اخباروں میں شائع ہوئیں تو شمشیر علی خان نے کتاب لکھی تو جی میں آیا کہ بنوں کی تاریخ وثقافت کو کتاب میں محفوظ کیا جائے۔

شمشیر علی خان بڑے محبت کرنے والے انسان ہیں میرے کالم پڑھنے اور بڑے دردناک خط لکھتے تھے ان کا بھی یہی مشن ہے کہ اس معاشرہ وسماج کو کس طرح سنوارا جائے کرپشن بدعنوانی اور دھاندلی کا تدراک کس طرح کیا جائے۔ معاشرہ سے تعصب وتنگ نظری کے چراغوں کو گل کر کے ترقی پسند اور روشن خیالی کی قندیلیں کس طرح روشن کی جائیں۔ شمشیر علی خان انقلابی آدمی ہیں اور انقلاب کی راہ دیکھ رہے ہیں قائداعظم، علامہ اقبال، علامہ مشرقی اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے لیڈروں کے پرستار ہیں وہ ایک ایسے نظام کے متمنی ہیں جو انسان کی زندگیوں سے غموں دکھوں اور پریشانیوں کو مٹا کر وہاں مسرتوں اور آسانیوں کے سویرے اجال دے وہ یہی کہتے ہیں کہ اس سرمایہ داری نظام کو کیسے ختم کیا جائے انہیں رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا سے سرمایہ داری نظام کی جڑیں کٹ رہی ہیں جبکہ ہمارے ہاں اس نظام کے پنجے مضبوطی سے گڑے جا رہے ہیں۔ شمشیر علی خان اسلام کو انسان کے سب دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں مگر اس اسلام کو جسے اسلام کے ٹھیکیداروں نے مقید کر رکھا ہے۔ اس کی جگہ نمبر دو اسلام لا کے بٹھایا ہوا ہے اس نمبر دو اسلام سے سرمایہ داری نظام کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جعلی اور جھوٹے حکمرانوں کی فرعونیتوں اور زر اندازیوں کے لئے گنجائش نکالی گئی ہے اگر گزشتہ پچاس برسوں، میں ہمارے مذہبی طبقے اسلام کو حکمرانوں کے درباروں کی لونڈی بنا کر اپنے حلوہ مانڈوں کا بندوبست نہ کرتے تو آج پاکستان کا انسان سیاسی ومعاشی طور پر آزاد ہو چکا ہوتا مذہبی اجارہ داروں نے اپنی اپنی مذہبی

دکانیں کھول کر انسانوں کو تقسیم اور غلام بنانے کا کاروبار جاری رکھا ہوا ہے۔ ان کی اور حکمرانوں کی منشا یہی ہوتی ہے کہ پاکستان کے غریب انسان کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے لئے سیاسی اور معاشی فیصلے نہ کرنے پائیں اس لئے پاکستان کی سچی قیادت کو کافر قرار دینے کے مشن کو حرز جان بنایا ہوا ہے سر سید احمد اٹھے اور برصغیر کے مسلمانوں کو زیور علم سے آراستہ کر کے قومی نصیب سنوارنے کا کام شروع کیا تو ان طبقوں نے انہیں کافر قرار دے ڈالا اقبال اور قائداعظم نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا ڈول ڈالا اور پاکستان کے حصول کو ممکن بنایا تو یہ دو ہستیاں ان اجارہ داروں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ انہیں بھی کافر قرار دے دیا گیا پھر ذوالفقار علی بھٹو آئے انہوں نے پاکستان کے غریبوں کو پنجابی سندھی، بلوچی پٹھان کے نسل چکروں سے نکال کر ایک پارٹی بنایا اور استحصال اقلیت کے خلاف ایک طوفان اور سیلاب بنانا چاہا تو یہ استحصالی طبقہ اس کے خلاف ہو گیا اسے کافر قرار دیا۔ پھر سب نے مل کر اسے مروا دیا۔ شمشیر علی خان سوچتے رہتے ہیں روتے ہیں اور بار بار مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہو گا پاکستان کا کیا بنے گا عالم اسلام کا؟ مسلم دنیا کے اکثر حکمران خاندانِ غلام سے تعلق رکھتے تھے۔ سب نے اپنی رعایا کو غلام بنا کر خود امریکہ و یورپ کی باج گزاری قبول کر رکھی ہے ایک ارب افراد پر مشتمل مسلم اُمہ کا کیا بنے گا شمشیر علی خان کے سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس کے درجنوں خطوط میرے پاس پڑے ہوئے ہیں ہر خط میں سوالوں کے طومار ہوتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی غریب اکثریت منتشر و خستہ حال ہے۔ بے جہت ہے بے رہنما ہے یہ اکثریت بہت طاقتور ہے مگر اسے قیادت میسر نہیں ہے حکمرانوں نے انہیں ناخواندہ جاہل، بے روزگار اور اپنے حال سے بے خبر رکھ کر اپنے لئے آسانیاں پیدا کر لی ہیں۔ یہ اکثریت اگر ایک مرتبہ بیدار ہو کر سڑکوں پر نکل آئی تو پاکستان کے جابر و قاہر استحصالی طبقوں کو پناہ نہیں ملے گی مگر سب

سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اس اکثریت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیسے کیا جائے انہیں سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان کے عصبیتی لسانی علاقائی نسلی نعروں کی زد سے کیسے نکالا جائے یہ کام کون کرے گا کسی کو معلوم نہیں شمشیر علی خان یہ مجھے بھی نہیں معلوم۔ پاکستان میں انقلاب کا پھوڑا پک کر تیار ہو چکا ہے۔ کب پھوٹے گا۔ کچھ معلوم نہیں سرمایہ داری نظام کے تاج و تخت کب اچھالے جائیں گے۔ شمشیر علی خان مجھے نہیں معلوم لیکن اتنا پتہ ہے کہ ضرور اچھالے جائیں گے ہم دیکھیں ایسا ہوگا ضرور۔

1981ء ایک سیمینار میں شمولیت

جناب پریشان خٹک گومل یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ خوشحال خان خٹک کے سلسلے میں ایک تعارفی سیمینار منعقد کیا گیا۔ میر محفل پریشان خٹک تھے۔ جبکہ ڈیرہ کے مقامی ادباء، اشعراء اور دانشوروں نے شرکت کر رکھی تھی۔

پریشان خٹک نے مجمع کو مخاطب کیا اور جامع تقریر جھاڑ دی۔ تقریر کے اختتام پر پروفیسر نذیر اشک جو شاعر اور ادیب تھے۔ خوشحال خان خٹک کی ہجو میں چند کلمات کہے اور اس کی توضیح چاہی۔ کہا خوشحال متعصب تھا۔ وطن پرست تھا۔ عیاش تھا۔ اورنگزیب کا دشمن، جبکہ اورنگزیب عالم باتقویٰ اور فتاوہ عالمگیری کا خالق تھا۔ باشرع اور عالم فاضل تھا۔ انہوں نے اقبال کے ایک شعر کا حوالہ بھی دیا۔ جس کا دوسرا مصرعہ غلط پڑھا گیا۔

پریشان خٹک سے سوائے سکوت کے کچھ نہ بن پڑا۔ میں نے اٹھکر جواب آں غزل کی اجازت چاہی۔ میں نے جناب نذیر اشک صاحب سے بصد احترام پوچھا۔ آپ کو پشتو نہیں آتی۔ اس لئے آپ خوشحال خان کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کسی شخص تک رسائی کے لئے اس کی تخلیقات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ وطن دوستی کوئی بری شے نہیں یہ فطری جذبہ ہے۔ ہر کوئی اپنی ذات، گھر، گھرانے سے محبت رکھتا ہے۔ اظہار محبت فطری جذبہ ہے۔ البتہ وطن پرستی جو تعصب کی پیداوار ہے قابل موخذہ ہوسکتا ہے۔

خوشحال کو اپنے وطن سے محبت تھی۔ ہم سب کو پاکستان سے محبت ہے یہ قابل فخر جذبہ ہے میں نے نذیر اشک صاحب سے یہ بھی کہا کہ آپ جیسے دانشور، محقق، شاعر اور ادیب سے یہ توقع رکھوں گا کہ آپ اقبال کے شناسا ہیں۔ مگر آج آپ نے اقبال کا جو شعر پڑھا ہے اس کا دوسرا مصرعہ غلط پڑھا۔ درست مصرعہ یوں ہے۔ میں نے برمحل پشتو کے ایک

لفاظ ایشمہ کا مفہوم پوچھا۔ وہ نہ بتا سکے اور سکوت اور سکون کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایشمہ کا مفہوم بادنسیم جیسے دھیمی دھیمی آہستہ خرام ہوا کو کہتے ہیں۔ پریشان خان خٹک کی پریشانی ختم ہوئی اور وہ ممنون نگاہوں کے ساتھ میری طرف دیکھنے لگے تھے۔ بعد میں انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور جواب آں غزل کی خوب تعریف کی۔ کہا آپ تقریر وتحریر دونوں کے بادشاہ ہیں۔ پرنسپل مرید عباس شاہ صاحب بھی سراپا سپاس ہوئے گے۔

کہا گیا وہ لکھنے اور سننے کے قابل نہیں البتہ ہم سب کی حالت دیدنی تھی۔

ے دنیا کے بیشمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

مٹی سے کھیلتے ہو بار بار کس لئے

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

کل وہ اور میں بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے دنیا جہاں کی باتیں خدا کی باتیں خلاؤں کی باتیں، ارسطو، افلاطون اور انسانیت کے دکھ درد کی باتیں۔ آج وہ پیپل کے پتے کی طرح لرز لرز کر شاخ شجر سے ٹوٹ رہا ہے۔ میرا شیر دل دوست بنوں شہر کا شمشیر علی خان، موت و زیست کی جنگ لڑ رہا ہے۔ میری آنکھوں سے اشک رواں کی لہریں پھوٹ رہی ہیں۔ میں بھی بے بس وہ بھی بے بس۔ سرکاری ہسپتال کے گندے پرائیویٹ کمرے کے میلے کچیلے بستر کی شکنیں ہیں۔ خوفناک غلام گردشوں کی مرگ آسا چاپ ہے۔ چہار اطراف آہ و بکا کی فریادیں ہیں اور پروفیسر شمشیر کا آنسوؤں سے تر بتر سفید ریش چہرہ ہے۔ بیٹھے بٹھائے سان نہ گمان اسے کیا روگ آ کر چمٹا، ڈاکٹروں نے کہا فکر کی کوئی بات نہیں۔ درد ہے دور ہو جائے گا۔ پھر وہ اسے اندر روشنی ہو مگر باہر ہماری دنیا اندھیر تھی۔ ہر طرف ہی موت کا رقص تھا۔ جدھر دھیان جاتا چیخ ہی سنائی دیتی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ہسپتال ہیں یا قتل گاہیں۔ یہ معبد ہرگز نہیں۔ معبدوں میں تو خاموشی ہوتی ہے۔ یہاں تو شور ہے ہنگامہ دار و گیر ہے۔ زندگی کے تعاقب میں موت، موت کے تعاقب میں خنجر بدست معالج و مسیحا، زندگی اور موت کی یہ جنگ ہر بڑے ہسپتال کے برآمدوں، کمروں اور آپریشن تھیٹروں میں مسلسل جاری ہے۔ پاکستان کے قدیم ترین شہر کے وسط میں نصب مریضوں اور ڈاکٹروں کا ایک جنگل آباد ہو چکا ہے۔ پہلے یہ ہسپتال تھا اب عفریت ہے۔ اپنے قد سے بہت بڑا۔ جہاں مریضوں سے زیادہ غم خوار اور عیادت گزار اور ان سے زیادہ عملہ ڈاکٹر اور پھر ساتھ

زندگی وصحت کے تاجر وصنعتکار ہسپتال کے اردگرد پھیلی دوادار وانڈسٹری کا ہجوم بیکراں، کسی کی مرض پر نگاہ کسی کی مریض پر اور سب سے بڑھ کر سب کی جیب پر نگاہ۔ یہاں پہنچ کر مریض ولواحقین جیب کی فکر سے آزاد جاتے ہیں۔ کاٹنے اور کٹوانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جیبوں کے منہ ازخود کھل جاتے ہیں کیونکہ زندگی خریدنی ہوتی ہے زندگی دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے۔ جس کا احساس ہسپتال کے اندر کسی بھی حیثیت میں داخل ہو جائیں تو پھر خدا یاد آتا ہے۔ اسی لئے ہسپتال کے اندر کی مسجدوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ میں نے وہاں کھڑے ایک پھول والے سے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو یہاں پھولوں کے گجرے کون خریدے گا۔ یہیں سے تو جنازے اُٹھ رہے ہیں۔ وہ دیکھو لٹا گھر کسی کا۔ وہ چیختی ہوئی منجی پر ایک ٹھنڈی لاش واپسی کی منتظر ہے۔ اس کے اردگرد سوزوکی ڈاٹسن والوں کا ہجوم ہے۔ ایمبولینس والے اپنی طرف اسے کھینچ رہے ہیں۔ سٹریچر پر لاش کو باہر لانے والے میلے کچیلے سرکاری اہل کار اپنی ٹپ کا الگ انتظار کر رہے ہیں۔ لاش کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں۔ لواحقین کی آنکھوں میں اندھیرا اور آنسو ہیں۔ پھول والے نے کہا بابو روٹی کا مسئلہ ہے۔ لاش کی روٹی ختم ہماری تو باقی ہے۔ اگر پھول نہ بیچیں لاشیں نہ ادھیڑیں کریدیں تو خود بھی لاش بن جائیں۔ لاش تو ہم نے بننا ہے مگر اس سے پہلے پیٹ کا ایندھن تو مہیا کر لیں۔ ہمارا بھی یہی حشر ہونا ہے۔ میں نے پھول لئے اسے چند روپے دے دیئے۔ میں پھول لے کر شمشیر علی خان کے پاس تو نہیں جا سکتا ہے۔ جاتا بھی کیسے وہ تو کسی آپریشن تھیٹر کی لرزہ طاری کر دینے والی پراسرار خاموشیوں میں زندگی کی آخری جنگ لڑ رہا تھا۔ رات آخری مرتبہ اس سے جدا ہوتے وقت اس نے میرا ہاتھ بڑے پیار سے تھاما تھا۔ ظہور میرے لئے دعا کرنا۔ میں نے فرطِ غم سے اپنا ماتھا اس کے ماتھے سے رگڑا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے تھے۔ مگر یہ انفعال کے قطرے ہرگز نہ تھے۔ وہ بہادر اور جیدار آدمی

تھا۔ اس نے ساری زندگی اصولوں کی جنگ کی تھی۔ دولت نہیں کمائی تھی احترام کمایا تھا۔ ساری زندگی عبادت کرتا رہا تھا،قوم کے بچوں کوعلم کی دولت سے آراستہ کرنے کی پیغمبرانہ عبادت۔ میں نے اسے کہا شمشیر تمہیں دعاؤں کی نہیں تمہاری دعاؤں کی ہمیں اور اس زمانے کوضرورت ہے۔اس کی سفید داڑھی طمانیت کی چاندی سے دمک رہی تھی شمشیر میرا بہت پرانا دوست ہے۔ جب ایک مارشلائی سزا کاٹنے کے لئے مجھے پاڑہ چنار سے پورن چکیسر اور پھر وہاں سے ڈیرا اسماعیل خان بصورت شٹل کاک بے یارومددگار بلاتنخواہ بھیجا گیا تو ڈیرہ میں میرا ایک ہی دوست بنا۔ یہ وہ دن تھے جب زمانے کی نامساعدت کے ہاتھوں پگھل کر میں خود اپنی زندگی کے سراب کو دریائے سندھ میں گھولنے پر آمادہ تھا۔ جب شمشیر کا ہاتھ دریا کے کنارے سے بھی میرے کندھے پر پہنچ جاتا وہ مجھے کہتا تم ہم یہ سب لوگ خود نہیں آئے لائے اور بھیجے گئے ہیں۔ ہر ایک نے ایک رول ادا کرنا ہے۔تمہاری آزمائش کا دور ہے۔ آزمائش سے بھاگتے ہو۔ وہ مجھے تازہ دم کر کے پھر زندگی سے لڑنے کے لئے میدان میں لے آتا۔ شمشیر اندھیرے میں میرے لئے روشنی کی انمٹ کرن تھا۔ آج وہ خود اندھیروں میں نبرد آزما تھا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ وہ آپریشن تھیٹر کے اندر تھا۔ باہر اس کے بچوں اور دوستوں کی جان لبوں پر تھی۔ نیند تو کئی راتوں سے غائب تھی آنسو بہہ رہے تھے۔ ایک شریف النفس دیانتدار محنت کش استاد کی واپسی کا انتظار تھا۔ کئی گھنٹوں کے جان لیوا اضطراب کے بعد وہ بے ہوشی کے عالم میں لوٹا تو سب کی چیخیں نکل گئیں۔ اسے بھی پتہ نہ تھا ڈاکٹروں نے اسے بچانے کے لئے اس کی ایک ٹانگ پوری کاٹ لی تھی۔ وہ شیر دل بوڑھا بزرگ ہماری آنکھوں کے سامنے اپاہج ہو گیا تھا۔ کھلونے کی ایک ٹانگ نوچ لی گئی تھی۔ اتنے میں ایک اور مریض گزرا اس کا ایک بازو کاٹ لیا گیا تھا۔ اس کے گرد اس کے بچوں کا ہجوم تھا۔ میں شہر مرگ میں کس کس کا ماتم کروں۔ ہر انسان عظیم ہے قابل احترام ہے شیکسپیئر

نے کہا تھا۔ As files to the wanton boys We are to the Gods. They kill us for their sport.

ہم یہ نہیں کہیں گے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب کچھ اس کا ہے وہ جب جس طرح چاہے ہم سے واپس لے لے۔ ہم سے تو اس احسان کا بدلہ اور حق بھی یاد نہیں ہو پاتا۔ ہم نے تو ہر حال میں شکر گزار ہونا ہے۔ ٹانگ جائے یا ہاتھ، پوری کائنات میں ہم نے اف کرنی ہے نہ فریاد۔

جان دی دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں شمشیر کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ صرف اس کے بیٹوں کے سینے سے لگ کر روتا رہا۔ ان کی بھی ہچکیاں بندھ گئیں میری بھی حالت بگڑ گئی۔ انہوں نے مجھے کہا سر آپ جائیں۔ شمشیر شاید ایک ٹانگ کے ساتھ جی لے مگر آپ کو کچھ ہو گیا تو وہ بچ نہیں پائے گا۔ انہوں نے مجھے شمشیر کے پاس جانے نہیں دیا۔ میں روتا ہوا ہسپتال سے نکل رہا تھا تو مجھے راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ گیٹ کے پاس وہ پھول والا مجھے پھر ملا۔ میں نے اس سے چند ہار خرید لئے اور باہر نکل کر اس بھکاری کے گلے میں ڈال دیئے۔ جس کے دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں اور جو اپنا کشکول کٹے ہوئے حصوں پر سجا کر بھیک مانگ رہا تھا۔

فکرفردا (1991)

ہم پیشہ بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ!

☆ اہتمام محبت اوراہتمام حجت کے طور پر قمطراز ہوں۔ جب کبھی کوئی بھی قیادت گردہی، علاقائی، پارٹی اور درباری سیاست کے خول میں محصور ہوجائے تو وہ طفیلی اورانفعالی بن کراس کی ساری کاوشیں محض امتحانات میں ڈیوٹی لینے دلوانے اور ذاتی مفادات تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔

☆ وقت کا تقاضا ہے۔ایسی قیادت وجود میں آئے جوفعال ہو، جذبہ نو سے سرشار ہو،قوت ایمانی، زور بیان اور مثبت سوچ کی حامل ہوتا کہ کالج اساتذہ کے جائز مفادات کا تحفظ کرکےموجودہ مسائل کا بروقت مداوا کرا سکے۔

☆ ماضی، استقبال کی تفسیر ہے، تاریخ شاہد ہے، ماضی میں جناب بختیار خان کی فعال اورقابل قدرقیادت کی بدولت ہم نے تاریخ ساز کامیابیاں حاصل کیں۔

☆ ایسوسی ایشن کو (الف) آئین دیا گیا (ب) اسے رجسٹرڈ کرکے تسلیم کرالیا گیا۔ (ج) عارضی لیکچراروں کومستقل کراکرآئندہ کے لئے بھی ایک روایت قائم کردی گئی۔ (ح) 5 اضافی ترقیاں ملیں (د) اساتذہ کے وقاروحقوق کی بازیابی کے لئے بھرپوراور بارآور جدوجہد کی گئی۔ (ر) کالج اساتذہ کوکلاس ون قرار دیا گیا۔جس کے لئے راقم الحروف کوبحیثیت جنرل سیکرٹری کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔تبادلے ہوتے رہے وغیرہ وغیرہ۔مگرانجام کارآپ کامیاب رہے۔ میری دعا ہے۔ہمیں ون مین ون ووٹ کی وساطت سے صحیح اورفعال قیادت حاصل ہو۔آمین! جس کے لئے آپ کی طرف سے آئین میں ترمیم کے بارے میں رائے مطلوب ہے۔ جسے آپ براہ راست موجودہ صدرایسوسی ایشن کوبھیجیں گے۔ شکریہ!

ے صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

آپ کا اپنا

الحاج شمشیر علی خان

ایم اے بی ٹی۔ ایل ایل بی

لمحۂ فکریہ

(پیغام کل اساتذہ کے نام)

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

ہم ایک ہیں۔

جذب باہمی کے سہارے ہم زندہ ہیں اور زندہ رہ سکتے ہیں۔ قطرہ دریا میں ضم ہو تو دریا ورنہ فنا ہو جاتا ہے۔ تارے انجمن باہمی کے طفیل کہکشاں کہلاتے۔ ذرے ضبط اور ربط باہمی سے کوہ گراں بن جائے۔ اشتراک باہمی سے ملت کی تشکیل نو ہوتی ہے اور پیوستگی ملت سے استواری ذات کی تمہید ہوتی ہے جبکہ تصور علیحدگی شاخ بریدہ کی تمثیل ہے۔ آیئے اکثریت میں وحدت کا پیوند لگا دیں اور مختلف ایسوسی ایشنوں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کا خاتمہ بالخیر کر دیں۔

ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں ہم سب کا نصب العین ایک ہے۔ جو قومیں اپنی ذات تک سوچتی ہیں۔ وہ کوئی بھی کارنامہ انجام نہیں پاتی۔ احتساب ذات و مکافات عمل اور حالات حاضرہ کا تقاضا ہے کہ ہم ایک ہوں اور کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی تشکیل نو کریں۔

انتباہ! اگر حالات کا ساتھ نہ دیا گیا تو دیر تک پشمانی ہمارا پیچھا کرے گی اور پھر دور تک انتظار کرنا ہمارا مقصد ٹھہرے گا اور آئندہ کا معمار قوم ہمیں معاف نہیں کرے گی۔

دکھا دونگا جہاں کو جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

پروفیسر شمشیر علی خان
ایم اے بی ٹی ۔ ایل ایل بی (ایڈووکیٹ)

پروفیسر (ر) شمشیر علی خان